خدام الدین
بانی ادارہ شیخ التفسیر حضرت
مولانا احمد علی
رحمۃ اللہ علیہ
جانشین ادارہ شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور
رئیس التحریر
مولانا مفتی محمود
شہید کا اجر
اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کی نسبت ایسا
خیال نہ کرنا کہ وہ مر گئے، نہیں، وہ زندہ ہیں، اور اپنے پروردگار کے
حضور اپنی روزی پا رہے ہیں! اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں
عطا فرمایا ہے اس سے خوش حال ہیں، اور اب جو لوگ ان کے پیچھے (دنیا
میں رہ گئے ہیں) اور ابھی ان سے ملے نہیں، ان کے لیے خوش ہو رہے ہیں کہ نہ تو
ان کے لیے کسی قسم کا کھٹکا ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی! وہ اللہ کی نعمت
اور فضل کے حصوں سے مسرور ہیں۔ نیز اس بات سے کہ انہوں نے
دیکھ لیا۔ اللہ ایمان رکھنے والوں کا اجر کبھی اکارت نہیں کرتا!
(آل عمران)
ترجمہ: امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ
۵ جنوری ۱۹۷۹ء
۶ محرم ۱۳۹۹ھ
مطبوعات انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور پاکستان
فون ۶۶۵۳۵

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کی علامت

عن ابن مسعود قال تلا رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان النور اذا دخل الصدر انفسح فقيل يا رسول الله هل لتلك علم يعرف به فقال نعم التجافي عن دار الغرور والانابة الى دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزوله۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی فمن یرد اللہ ...... للاسلام ـ یعنی جس کو اللہ ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔" اس کے بعد آپؐ نے فرمایا "آدمی کے دل میں جب نور داخل ہو جاتا ہے تو وہ پھیلتا چلا جاتا ہے لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! کیا اس کی کوئی علامت ہے جس سے وہ پہچانا جائے۔ فرمایا ہاں۔ دغا دینے والے گھر سے دور بھاگنا اور ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف رخ کرنا۔ اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا۔"

اس حدیث میں قرآن مجید کی ایک آیت کی بہترین تشریح ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ کو رشد و ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے اس کا دل کھول دیتا ہے اور وہ بندہ اسلام کی خوبیاں سمجھ کر اسے قبول کر لیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کھولنے کی بابت فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ دل کے اندر ایک روشنی پیدا ہو جاتی ہے جس سے حق اور باطل میں تمیز، سچ اور جھوٹ الگ الگ نظر آنے لگتے ہیں۔ ابتدا میں یہ روشنی ایک نقطہ کی شکل کی ہوتی ہے لیکن اگر یہ نقطہ دل میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ ذریعہ ہدایت بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے بشرطیکہ ایسے عمل نہ کئے جائیں جو اسے تاریکی سے ڈھانک لیں۔ اس نقطہ کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلنی شروع ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سننے والوں میں سے کسی نے پوچھا کہ یا حضرتؐ! کوئی ایسی نشانی بھی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ روشنی کا یہ نقطہ دل میں پیدا ہو گیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ تم جس کو دیکھو کہ دنیا سے اس کا دل ہٹتا جا رہا ہے اور آخرت کا خیال اس پر غالب آتا جا رہا ہے اور موت کے لیے تیاری کر رہا ہے یعنی ایسے کام کرتا ہے جن سے موت کے بعد راحت و آسانی نصیب ہو تو سمجھو کہ اس کے دل میں نور ایمان داخل ہو گیا ہے اور اگر وہ اسی حالت میں رہا تو اس کے دل کی روشنی بڑھتی جائے گی۔ ذرا اس علامت کو سامنے رکھ کر اپنے اپنے دلوں کا جائزہ لیجئے اور دیکھئے کہ ہمارے دل کس حالت میں ہیں کہنے کو تو ہم سب مسلمان ہیں لیکن ایمان کی روشنی اسی کو حاصل ہوتی ہے جس کا نصیبہ سیدھا ہوتا ہے اور کبھی ٹیڑھی نہیں ہوتی ہے۔ انسان کو اصل خوشی نور ایمان کے بغیر کسی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ یہ نعمت ہم سب کو نصیب فرمائے۔

حقیقت یہی ہے کہ انسان کو زندگی یوں گزارنی چاہیے کہ آخرت کا جو طویل سفر درپیش ہے اس کی تیاری ہوتی رہے اور موت جو یقیناً وقت پر آنے والی ہے اس کے لیے ساز و سامان ہوتا رہے۔

یہ اندازِ حکمرانی ؟

پچھلے چند دنوں میں صدر مملکت نے یکے بعد دیگرے چھ آرڈیننس جاری کئے ہیں۔ اور ہر آرڈیننس کے اجراء کے وقت تقریباً اس قسم کی بات کہی ہے کہ چونکہ قومی اسمبلی کا اجلاس نہیں ہو رہا اور "حالات" قانون میں ترمیم کے متقاضی ہیں۔ اس لیے ایسا کیا جا رہا ہے۔ ان آرڈیننسوں کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

قانونی اصلاحات، لیبر اصلاحات، کارکنوں کے لیے بڑھاپے کی پنشن، کالعدم سیاسی جماعتوں کے عہدیداروں کی رکنیت اسمبلی ختم کرنا، ملک کی سلامتی، سالمیت اور خود مختاری کے خلاف کئے جانے والے عزائم کی سماعت کے لیے خاص عدالت کا قیام اور ضابطہ دیوانی مجریہ ۱۹۰۸ء میں ترمیم کا آرڈیننس۔

جہاں تک آئین کی رو سے آرڈیننس جاری کرنے کے اختیارات کا تعلق ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ اس کا صدر مملکت کو حق حاصل ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس قسم کا حق مخصوص حالات میں ہی دیا گیا ہے اور عام طور پر اس قسم کے مقاصد کے لیے اسمبلی ہی بہتر ذریعہ ہے یعنی یہ کہ اگر حکومت کوئی نیا قانون وغیرہ نافذ کرنا چاہتی ہے تو زیادہ بہتر اور صحیح طریق یہی ہے کہ اسے اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ نمائندگان قوم کو اس پر جرح و تنقید کا حق دیا جائے اور اس کے بعد جس صورت میں وہ منظور ہوا اسے نافذ کیا جائے۔ ہاں کٹھن و مشکل حالات میں آرڈیننس کی بات بھی صحیح ہے۔

لیکن ہم یہ کہنے کی اجازت چاہیں گے کہ وہ لوگ جنہیں قوم نے نمائندہ چن کر اسمبلی میں بھیجا تھا ان کی اکثریت ایک مخصوص طبقے یا بالفاظ صحیح "ایک فرد" کی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ ہے اور بس۔ جیسا کہ ہم پچھلے ہفتہ اس موضوع پر کھل کر اپنی گذارشات پیش کر چکے ہیں۔

ان آرڈیننسوں میں بعض تو عوامی حکومت کی "چوتھی سالگرہ" کے موقعہ پر بطور "تحفہ" قوم کو دئے گئے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ اس سالگرہ کے ساتھ ساتھ ہماری محرومیوں کی ایک داستان بھی وابستہ ہے۔
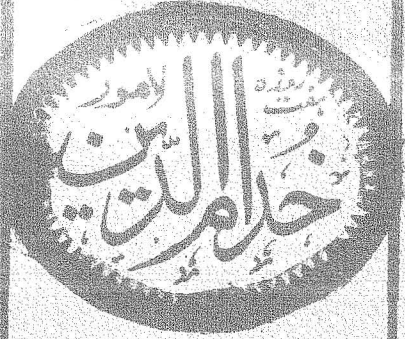
نصف ملک گنوانے، ہزاروں قیدیوں کو جنگی قیدی بنانے اور اس قسم کے اندوہناک حادثات کے بعد سالگرہ کا نمبر آتا ہے۔ اس چوتھی سالگرہ سے قبل بھی اصلاحات کے عنوان سے بہت سے "تحائف" قوم کو دیے جا چکے ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اب پھر کئی شعبوں میں نئی اصلاحات کا بصورت آرڈیننس تحفہ دینے کا معنی قولاً نہ سہی تو عملاً اعتراف ناکامی کے مترادف ہے۔ اور یہ ناکامی ہر شعبہ زندگی میں اس وقت تک ملک اور قوم کا مقدر رہے گی۔ جب تک محمد عربی صلوات اللہ و سلامہ علیہ کے واسطے سے آئے ہوئے دین حقہ کو عملاً نافذ و جاری نہیں کیا جاتا۔

اس کے علاوہ باقی آرڈیننس کچھ دن پہلے آئین کی چوتھی ترمیم کو "مؤثر" بنانے کی غرض سے جاری کیے گئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ طویل اور صبر آزما جد و جہد کے بعد آئین بنا تو اس پر ہر کسی نے خوشی منائی اور محض اس لیے کہ خرابی بسیار کے بعد آئین بنا تو ہے! اور یہی اعتراف ہے کہ اسلامیت، جمہوریت اور وفاقیت کے تقاضے اس آئین سے بہت حد تک پورے ہو سکتے تھے بشرطیکہ اسے مکمل شکل میں نافذ کیا جاتا، ایمرجنسی وغیرہ کا چکر نہ چلایا جاتا اور آئین پر مخلصانہ طریق پر عمل ہوتا۔ لیکن بقول قائد جمعیۃ نامہربان ڈرائیوروں کی ستم ظریفی نے گاڑی کا پہیہ الٹا پھیر دیا ہے۔ جس کے پیش نظر آئین کی روح ہی مجروح نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنی شکل و صورت بھی کھو بیٹھا ہے۔

اندازہ لگائیں کہ مختصر عرصہ میں ۴ ترمیمیں ہو چکی ہیں (پانچویں کی تیاری ہے بقول معراج خالد صاحب) ان میں دوسری ترمیم کادیانیوں سے متعلق تھی اور وہ قوم کے دل کی آواز تھی۔ اس ترمیم کو ہوئے سوا سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ لیکن قانونی تقاضے پورے کر کے اسے "مؤثر" بنانے کی کسی کو نہیں سوجھتی۔ باقی تین ترامیم جس طرح ہوئیں ان کا حال آشکارا ہے۔ بالخصوص چوتھی ترمیم تو ایسے ماحول میں ہوئی کہ روح انسانیت تڑپ اٹھی۔ تھی حتیٰ حزب اختلاف کے قابل صد احترام رہنما جن میں اسلامی عظمت و روایات کے امین و حامل مستند عالم ربانی اور ارباب بصیرت بھی شامل ہیں کو اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا

اور اس طرح "فتح" کا جھومر ان لوگوں نے اپنے ماتھے پر لٹکایا جو "جمہوریت ہماری سیاست ہے" کا نعرہ لگاتے ہیں۔

واقفانِ حال کا کہنا ہے کہ یہ ڈرامہ محض اس لیے رچایا گیا تھا کہ ارباب حکومت کے پاس مطلوبہ ووٹ نہ تھے۔ اس لیے مخالفین کو باہر نکال دیا گیا کہ کوئی ہمیں آئینہ دکھانے والا سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ اس کے علاوہ اسمبلی کے معزز ممبر موجود ہوں اندر آنا چاہتے ہوں لیکن دروازے بند کر کے قانون سازی کرنا آئینی طور پر کس حد تک جائز ہے؟ اس کا جواب ان "دانشوروں" کے ذمہ ہے جو سرکار کی مدح خوانی میں اپنا "سب کچھ" داؤ پر لگا چکے ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ اس انداز میں منظور ہونے والی ترمیم کو "مؤثر" بنانے کی غرض سے آرڈیننس پہ آرڈیننس جاری کیے جا رہے ہیں۔

ہم اور تو کچھ نہیں کہتے۔ صرف یہی عرض کریں گے کہ یہ اندازِ حکمرانی نہ خدا کو پسند ہے نہ خدا کے بندوں کو! اور جو چیز خدا کو پسند نہ ہو وہ زیادہ دیر باقی نہیں رہتی۔ اللہ کرے کہ ہمارے حکمرانوں کی سمجھ میں یہ بات آ جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ملک و قوم کے ساتھ ان کا بھی بھلا ہوگا۔ ورنہ فطرت کے قانون تو اپنی جگہ اٹل ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر ہمیں فہم صحیح نصیب فرمائے۔

محرم اور امن

لاہور کی انتظامیہ نے گزشتہ ماہ کی ۲۷ تاریخ کو لاہور کے سنی شیعہ لیڈروں کا ایک اجلاس بلایا جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور ان دنوں سفر حج پر تھے اس لیے جو دعوت نامہ شیرانوالہ آیا اس پر قائم مقام خطیب لکھا ہوا تھا۔ چونکہ حضرت والا کی عدم موجودگی میں کوئی مستقل قائمقام خطیب تو تھا نہیں۔ مختلف اکابر علماء تشریف لا کر خطبہ جمعہ دیتے رہے۔ اس لیے اس میٹنگ میں ہمارے یہاں سے تو کوئی جا نہ سکا اور یہ ہمیں معلوم نہیں کہ کون کون گیا اور کیا باتیں ہوئیں؟

البتہ عام اندازہ یہی ہے کہ معروف چہرے وہاں ہوں گے اور حسب روایت "امن" کی بات ہوئی ہو گی

یعنی یہ کہ محرم پر امن قائم رہنا چاہیے۔ فریقین نے ایک دوسرے کو تعاون کا یقین دلایا ہوگا اور اس طرح مجلس برخاست ہوگئی ہوگی۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہر سال ارباب انتظام کو اس تکلف کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے؟ ہمیں یقین ہے کہ اگر امن کے علمبردار قیام امن کے معاملہ میں مخلص ہوں تو یہ ایسا مسئلہ نہیں جو حل نہ ہو لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ امن محض ان کی زبانوں پر ہے اور بس، ورنہ اگر ایران کی خالص شیعہ اسٹیٹ کی طرح شیعہ حضرات کی رسومات کو اپنے مخصوص مقامات پر پابند کر دیا جائے تو کسی مسئلہ کے پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ یہاں کھلی چھٹی کے عنوان سے سواد اعظم کے گلی کوچوں میں سب کچھ کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ اور پھر اس اجازت سے سارے نہیں تو بعض لوگ ضرور ناجائز فائدہ اٹھا کر اس قسم کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ جس سے جذبات کا مجروح ہونا لابدی ہوتا ہے۔ اور ابھی حال ہی میں نصاب تعلیم کے مسئلہ پر جو بھونڈا انداز اختیار کیا گیا ہے اور ملی جلی آبادیوں کو دھڑوں میں تقسیم کر کے نفرت کے بیج بوئے گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے ہمارے لیے صحابہ رسولؐ اگر نجوم ہدایت ہیں تو اہل بیت کشتیٔ نوح! وہ دونوں ہی ہماری آنکھوں کا نور ہیں اور سبھی واجب الاحترام! اس لیے حکومت سے زیادہ شیعہ اکابرین سے ہم کہیں گے کہ قانون کے علاوہ بھی ایک چیز ہے جس کا نام ہے اخلاقی پابندی! اس سے کام لے کر بہت سے خرخشے ختم ہو سکتے ہیں۔ امید ہے کہ ہماری ناچیز گزارشات پر منفی جذبہ سے نہیں بحیثیت طریق غور ہوگا۔

شامی اور ان کے رفقاء

ہفت روزہ زندگی سے صحافتی سفر شروع کرنے والے شامی صاحب اور ان کے رفقاء مسلسل یار لوگوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں۔ اداکار و الحدید کے بعد، ان کے تازہ پرچہ "طاہر" کے دوسرے ہی شمارہ کی چھپی ہوئی کاپیاں اور پلیٹیں بغیر کسی وجہ جواز پریس سے اٹھا لی گئیں۔ اور ستم یہ کہ طور پر یہ کام ایک مجسٹریٹ کی نگرانی میں ہوا۔ یعنی جن کے یہاں دنیا مظلومیت کا دعویٰ لے کر جاتی تھی وہ بھی یہ کچھ کر گزرنے پر تل گئے ہیں۔

شامی اور ان کے رفقاء کے افکار و نظریات سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں اور نہ ہم ہیں لیکن جد و جہد کے دور میں پریس ٹرسٹ توڑنے کا دعوےٰ کرنے والوں کی طرف سے صحافت کے ساتھ یہ سلوک افسوسناک نہیں شرمناک ہے! جرم ہو تو عدالتیں موجود ہیں ان کا رخ کیجئے۔ اس طرح کے غیر قانونی حربے کسی خیانت کی تمہید ہو سکتے ہیں اور قیامت آجائے تو پھر آج کے وزیر، اسیر بھی ہو سکتے ہیں۔

ع، شاید کہ اتر جائے کسی دل میں مری بات!

زاہد الراشدی رہا ہوگئے

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے ناظم نشریات اور خدام الدین کے رکن ادارہ مولانا زاہد الراشدی ۹ دن جیل میں رہنے کے بعد ضمانت پر رہا ہو گئے ہیں۔ موصوف کی یہ گرفتاری جمعیۃ کے عظیم الشان کونشن کے سلسلہ میں تھی۔ اس سلسلہ میں قائد جمعیۃ مفتی محمود سمیت چند دوسرے حضرات کے بھی وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔

نجات کا مدار تزکیہ نفس پر ہے

ضبط وترتیب : ادارہ

—— جناب صوفی محمد یونس صاحب زید مجدھم ——

بعد از خطبہ مسنونہ :-

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :-

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی —— صدق اللہ العظیم -

اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں مل بیٹھ کر اپنی یاد کی توفیق دی۔ جس جگہ میں آج بیٹھا ہوں اس کے لائق وہی بزرگ ہیں۔ میں اس قابل نہیں اور یہ اظہار کسر نفسی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ ہم تو اس دروازہ پر کچھ سیکھنے آتے ہیں۔ حضرتؒ جب بیعت فرماتے تو ایک جملہ فرماتے کہ "اے اللہ! میں تیرے دروازہ پہ آیا ہوں ، مجھے اپنا نام نصیب فرما۔"

تو اس قابل تو نہ تھا لیکن حکم کی تعمیل میں چند باتیں عرض کر دیتا ہوں۔

ایک اور بات حضرتؒ فرماتے کہ شیطان جہاں جہاں حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا ہے وہاں اللہ والے اس کا تعاقب کرتے ہیں۔ تو پھر وہ ان اللہ والوں کی اولاد سے انتقام لیتا ہے۔ لیکن ہم خوش قسمت ہیں کہ حضرتؒ کے جانشین محترم نے اس مقام کو سنبھالا اور جماعت کو پریشانی نہیں اٹھانا پڑی۔ فللہ الحمد۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرتؒ کے بعد ہمیں کسی اور جگہ نہیں جانا پڑا۔ دعا ہے کہ خدا قیامت تک اس دروازہ کو آباد و قائم رکھے۔ جو حضرات اس دروازہ سے کٹ گئے ہیں خدا ان کی دستگیری فرمائے اور واپس لائے۔

حضرتؒ فرماتے کہ شیخ کامل کا اول تو ملنا مشکل ہے اور اگر اللہ کے کرم سے مل جائے تو استفادہ کا مسئلہ بھی مشکل ہے اور یہ مشکل بھی خدا کی دستگیری اور فضل سے ہی حل ہوتی ہے۔ استفادہ کے لیے عقیدت ، ادب اور اطاعت کی ضرورت ہے! خدا ہمیں توفیق دے۔ جب تعلق جڑ جاتا ہے تو شیخ سالک کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ لیکن ایسے کہ دوسروں کو خبر نہیں ہوتی۔

یاد رکھیں ، نجات کا مدار تزکیہ نفس پر ہے اور اہل اللہ تزکیہ کا ہی کام کرتے ہیں۔ وہ یاد الہٰی کی مشق کرا کے دل پر نام خدا کا پہرہ بٹھا دیتے ہیں اس کے بعد شیطان حملہ نہیں کر سکتا۔

حضرتؒ فرماتے کہ عقیدت ، ادب اور اطاعت میں سے ایک تار بھی کٹ جائے تو استفادہ اور فیض مشکل! جب ہم یہاں آتے ہیں تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ فائدہ ہو رہا ہے کہ نہیں اگر ہو رہا ہے تو اللہ کا فضل سمجھیں۔ نہیں ہو رہا تو خیال فرمائیں کہ شیخ تو خوب دے رہا ہے ہماری طرف سے کمی ہے اور جو کمی ہے اسے دور کریں۔ خدا توفیق دے۔

حضرتؒ فرماتے کہ اپنے دروازے پر آنے والوں کو خدا خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ ہاں طلب صادق ضروری ہے محرومی کی صورت میں اپنی طرف سے کمی ہوگی۔

یہاں کی حاضری کا مقصد امراض روحانیہ سے شفایابی ہے۔ وہ امراض روحانیہ جن کا علاج نہ کیا جائے تو قبر کا بھی رونا اور حشر کا بھی۔ خدا بچائے۔

امراض جسمانی ہیں تو روحانی بھی ہیں۔ جسمانی امراض کی خاطر ڈاکٹر کے پاس جانا ہوگا اس کی ہدایت پر عمل کرنا ہوگا۔ خدا کا کرم شامل حال ہوگا تو رحمت دشفا ہو جائیگی۔ البتہ ان بیماریوں میں بعض ایسی بھی ہیں جو مہلک شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی حال امراض روحانیہ کا ہے۔ان

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

خطبہ جمعہ

ضبط وتحریر :— ادارہ

حضرت جانشینِ شیخ التفسیرؒ مولانا عبید اللہ انور زید مجدہم کے سفرِ حرمین شریفین کے پیشِ نظر چند جمعے مختلف اکابر نے پڑھائے۔ اس دوران آخری جمعہ دن حضرت مولانا عبد القیوم قاضی عدالت شرعیہ پنجاب اور مولانا قاری نور الحق قریشی ناظم انتخابات جمعیۃ علماءِ اسلام پاکستان نے خطاب فرمایا۔ ہر دو حضرات کے ارشادات پیشِ خدمت ہیں۔ (ادارہ)

بعد الحمد والصلوٰۃ :—

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ، قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ، قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ، قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ، قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ۝

(صدق اللہ العلی العظیم)

اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اور پیدائش کرنا چاہی تو فرشتوں کو خبر دے دی کہ میں ایک بہترین مخلوق بنانے والا ہوں۔ وقت سے پہلے اس منادی اور اعلان کا مقصد انسانی عظمت کا اظہار تھا۔ اور ساری مخلوق سے اس کی افضلیت کا بتلانا مقصود تھا اس لیے فرمایا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب مقرر کر رہا ہوں۔ فرشتوں نے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکمت معلوم کرنا چاہی اور عرض کیا کہ بظاہر تو فساد معلوم ہوتا ہے کیونکہ پیدائش میں جن چیزوں کو استعمال کیا جا رہا ہے یعنی عناصر اربعہ، ان کا آپس میں جوڑ نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ اس لیے فساد کا اندیشہ ہے اس لیے ہم حکمت معلوم کرنا چاہتے ہیں ہاں اگر خدمت کی بات ہے تو تحمید و تقدیس میں ہم پہلے سے مشغول ہیں۔ فرشتوں کی عبادت کا تو جواب نہیں۔ سفرِ معراج سے واپسی پر نبی علیہ السلام نے فرمایا آسمان کا کوئی چپہ خالی نہیں جہاں فرشتے مشغول عبادت نہ ہوں۔ اور خدا نے فرشتوں کی تعریف کی کہ وہ عبادت میں تھکتے نہیں، حضور علیہ السلام نے فرمایا جو قیام میں ہے تو تا قیام قیامت اسی حالت میں رہیں گے جو سجدہ میں ہیں وہ سجدہ میں رہیں گے۔ وغیرہ ذالک۔ تو فرشتوں نے اپنی عبادت کا تذکرہ محض اس لیے کیا کہ یہ فرائض آپ نے ہمارے ذمہ لگائے ہم پورے کر رہے ہیں۔ مزید کچھ ہو تو تب بھی ہم حاضر ہیں۔ جواباً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تو خلیفہ بننے کے قابل ہے تم نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور پیدائش کے فوراً بعد جو کام کیا وہ ہے عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا یعنی تعلیم دی۔ معلوم ہوا کہ انسانی ضروریات میں سے پہلی ضرورت تعلیم ہے۔ ہر چیز کے دینے سے پہلے تعلیم کا تذکرہ فرمایا، کھانا پینا سواری کی ضروریات وغیرہ کچھ نہیں یہ بعد کی باتیں ہیں۔

اب تعلیم آدم کے دو جز ہیں ایک تو وہ ہے جو فرشتوں کو بھی ہے وہ بھی حضرت انسان کو ہونی چاہیے وہ کیا ہے؟ یہ کہ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ہے۔ اس کی ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں، گویا عقیدۂ توحید کی تعلیم! عقیدہ اس کو کہتے ہیں۔ بقول حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ عقد عربی میں گانٹھ دینے کو کہتے ہیں، تو آپ فرماتے ہیں کہ ایک چیز اس طرح باندھ لو کہ اس کو جتنا جھٹکو وہ باہر نہ نکلے۔ سمجھانے کے معاملہ میں شاہ صاحبؒ کا کمال تھا۔ عقیدہ سمجھایا۔ یعنی عقیدہ یہ ہے

دنیا کا کوئی جھگڑا اس کو متزلزل نہ کر سکے۔

عقائد کیا ہیں؟ توحید، رسالت، ختم نبوت، قیامت، وجود ملائکہ، جنات، عذاب قبر وغیرہ۔ یہ سب عقائد ہیں۔ ان سب کو اس طرح ماننا کہ دنیا کا کوئی سا جھٹکا اسے کو متزلزل نہ کر سکے یہی عقیدہ ہے، یہی ایمان ہے۔ ایمان یہ نہیں کہ مفادات، خود غرضیوں اور اس قسم کے کاموں کی خاطر آدمی عیسائیت، مرزائیت اور سبائیت و رفض کو اپنالے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ یہ کیسا ایمان ہے جو لالچ کا ایک جھٹکا نہ برداشت کر سکا۔ گویا یہ گانٹھ نہ کھلنی چاہیے۔ اور کھل گئی تو بات بگڑ گئی اور بربادی آگئی۔

عقیدے اور ایمان کی بات آئی تو ایک ضروری بات سمجھ لیں، حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نوراللہ تعالیٰ مرقدہٗ گواہی کی خاطر بہاولپور آئے۔ مشہور مقدمہ ہے بہاولپور کا مرزائی مسلم جھگڑا شیخ محمد اکبر مرحوم کی عدالت میں، مسلمان عورت نے دعویٰ دائر کر رکھا تھا کہ میرا خاوند مرزائی ہے۔ اختلاف عقائد ہے لہٰذا میرا اس کا پہلے دن سے نکاح ہی نہیں۔ یہ مقدمہ کافی عرصہ چلتا رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ دیوبند سے شہادت دینے کے لیے تشریف لائے۔ حضرت امیر محترم درخواستی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ہم چھوٹے تھے۔ جب شاہ صاحب بیان دیتے تو معلوم ہوتا کہ حضرت انور شاہ بیان دیتے ہیں تو دنیا اسی طرف جھک جاتی ہے اور پھر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاہ صاحب اگر اب بھی کہہ دیں کہ اے درخت! تو صداقت نبیؐ کی خاطر چل پڑے تو وہ یقیناً چل پڑتا۔ حالات ایسے تھے اور جج صاحب قلم دانتوں میں دبائے متحیر و حیران بیٹھے رہتے، کبھی کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو احترام سے کہتا۔ حضرت! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک سوال جج نے کیا کہ جو تم مانتے ہو مرزائی بھی مانتے ہیں۔ خدا، توحید، انبیاء، کتابیں، ختم نبوت سب چیزیں تم مانتے ہو تو وہ بھی مانتا ہے تو جھگڑا کس کا ہے؟ ختم نبوت کے معاملہ میں مرزائی دھوکہ دیتے ہیں کہ اب ایسا نبی آسکتا ہے جو نبی علیہ السلام کے تابع ہو۔ اول تو یہ تاویل بھی لچر ہے کہ مطلقاً باب نبوت بند ہے چاہے تابع ہو یا غیر تابع اور مزہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد اپنے کو حضور علیہ السلام سے بھی افضل کہتا ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، لعنت بر "پسر" فرنگ (۱۲ ناقل) جج صاحب نے یہ سوال کیا کہ جب وہ سب کچھ مانتے ہیں تو وہ کافر کیسے؟ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا۔ متواترات میں سے کسی ایک چیز کا منکر بھی کافر ہے۔ متواترات کی اصطلاح نئی تھی اس لیے جج صاحب نے پوچھا کہ حضرت متواتر کس کو کہتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ تواتر چار قسم ہے ایک ہے تواتر توارث، یعنی پہلی نسل نے دوسری نسل کو ایک بات بتلائی گویا نسلاً بعد نسلٍ منقول ہونے والی چیز، مثلاً ہر پہلی نسل نے دوسری نسل کو بتایا کہ قرآن کے ۳۰ پارے ہیں۔ یہ نبی علیہ السلام پر اُترا، خدا کا کلام ہے۔ یہ بات چھوٹے بڑے عالم، جاہل سب ایک دوسرے کو یہ بات بتلاتے رہے۔ اور مثلاً تعداد رکعات کہ ہر نسل نے آئندہ نسل کو نماز کی رکعتیں بتائیں اور مثلاً اوقات نماز گویا وراثت کے طور پہ یہ چیزیں منتقل ہوئیں ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی عقیدۃً اس کا انکار کفر ہے۔

اس پہ مثال پیش کی کہ مسواک ہے، ہر پہلی نسل نے دوسری نسل کو بتایا کہ یہ سنت نبی کریم علیہ السلام ہے۔ لہٰذا مسواک کی سنیت تواتر توارث سے ثابت ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا اب جو کوئی اس کی سنیت کا انکار کرے گا وہ کافر ہوگا۔ استعمال کرنے نہ کرنے کی بات اور ہے نفس سنیت کا عقیدہ اور ہے۔ نماز نہ پڑھیں اور بات ہے نماز کا انکار کفر۔ قرآن عمر بھر نہ پڑھیں اور بات ہے۔ اس کے ایک نقطہ کا انکار کفر۔ وغیرہ ذالک۔ تو معلوم ہوا کہ اسلام کا دارو مدار عقیدہ پہ ہے اسی طرح داڑھی ہے اس کا انکار کفر۔ عملی کوتاہی دوسری بات ہے۔

تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شیخ صاحب! ایک آدمی سب کچھ مانتا ہے ایک بات نہیں مانتا تو وہ کافر ہے۔ اب عقیدہ چلا آتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا نہ تشریعی نہ غیر تشریعی، نہ مستقل نہ غیر مستقل نہ تابع نہ غیر تابع وغیرہ ذالک۔ یہ عقیدہ تواتر توارث سے ثابت ہے لہٰذا اس کا منکر کافر ہے۔

دوسری بات شاہ صاحبؒ نے فرمائی کہ اللہ کو یہ ایمان قابل قبول نہیں کہ کہے بس جو کچھ رسول کریمؐ نے فرمایا

ہیں مانتا ہوں بلکہ خدا کو وہ ایمان قابل قبول ہے جس کے متعلق خدا نے فرمایا وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ ۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ منافق بھی کہتے تھے کہ جو کچھ حضورؐ فرماتے ہیں برحق ہے۔ لیکن اللہ نے فرمایا نہیں بلکہ ایسا ایمان لاؤ جیسا لوگ لاتے۔ مومن وہ ہے جس کے دل میں پختہ عقیدہ ہو اور اس کا زبان پر اظہار ہو۔ اس کے برخلاف محض زبان پہ بات ہو، دل میں نہ ہو یہ منافقت ہے۔

تو عرض کر رہا تھا کہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ خدا کو ایسا ایمان قابل قبول نہیں بلکہ وہ ایمان قابل قبول ہے — کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ "لوگو! جیسا ایمان" ایسے لوگوں سے صحابہؓ مراد ہیں کہ یہ فرمان منافقوں کو ہے اور اس وقت منافقوں کے سامنے صرف صحابہؓ ہی تھے جن کا ایمان نمونہ تھا۔ ایک دوسری جگہ بھی وضاحت ہے فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا کہ اگر ایسا ایمان لائے جیسا تم (اے صحابہؓ) ایمان لائے ہو تو ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اس آیت میں جو سورۂ بقرہ کے آخری رکوع کی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے دعوے ایمان و ہدایت کے جواب میں ہے۔

اب صحابہؓ کا ایمان تلاش کرو۔ ارشاد نبوی ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مسلمان و مومن نہیں ہو سکتا جب تک خود اپنے اپنے ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت مجھ سے نہ ہو۔ یہ ارشاد فرمایا۔ سامنے صحابہؓ ہی وہ مرید ہیں۔ حضور علیہ السلام پیر ہیں سب پیروں سے بڑے اور مرید ہماری طرح نہیں جو پیر کو بھی دھوکہ دینے سے باز نہ رہیں بلکہ وہ مخلص مرید جو اپنی گندگی سامنے لاتے ہیں تاکہ پیر اصلاح کر دے۔ ایسا ہی واقعہ حضرت لاہوریؒ کا ہے۔ سیاہ کپڑے پہن کر حضرت قبلہ مرشد العالم امروٹیؒ کے سامنے تشریف لے گئے۔ حضرت امروٹیؒ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا نفاق کے ڈر سے جیسا اندر تھا ویسا باہر کر دیا۔ آپ نے بازار سے سفید براق کپڑوں کا انتظام کرایا اور پہنا کر فرمایا تو اندر سے بھی چمکے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

تو بات صحابہؓ کی عرض کر رہا تھا وہ تو اپنا کچا چٹھا دربار رسالت میں واضح طریق سے پیش کر دیتے کوئی لیپا پوتی نہ تھی محض اس لیے کہ اصلاح ہو جائے۔ کیا بات ہے ان خدام و مریدین کی، واقعہ ہے کہ حضرت پیران پیر بیت اللہ میں دعا کر رہے ہیں۔ یا اللہ! مجھے بخش دے اور جو سزا ہی دینا ہو تو پھر میرے نبی کے سامنے سزا نہ دینا میں نے اپنی بدعملیوں سے دنیا میں تو نبی کا دل دکھایا وہاں تو نہ دکھاؤں — اللہ اللہ، یہ شان تواضع اور فروتنی و عاجزی!

تو بھائی! اللہ ان لوگوں کے طفیل ہمیں بخش دے۔ حضرت مدنیؒ، حضرت لاہوریؒ، حضرت رائے پوریؒ، اللہ ان کے طفیل ہمیں بخش دے، معاف فرمائے۔

اس کے بعد قاری نورالحق صاحب نے خطاب کیا۔

امّا بعد:۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا ۝

میری خوش نصیبی ہے کہ حضرت شیخ التفسیرؒ کی جگہ پر میرے جیسا گنہگار چند الفاظ کہنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

دوستو! یہ حقیقت ہے کہ حق و باطل کی جنگ ابتدائے آفرینش سے ہے اور تا قیام قیامت یہ جاری رہے گی اور ایک دوسرے کی حقیقت کا ظہور بھی تب ہی ہوتا ہے جب مقابل سامنے ہو۔

ایک حقیقت اور ہے جس پہ تاریخ شاہد ہے کہ حق کے ساتھ افراد ہمیشہ قلیل رہے، وسائل کم اور حالات نامساعد اور باطل کے پاس سب کچھ تھا اور ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ فتح بالآخر حق کی ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا۔ ہمارے ذہن کا تقاضا یہ ہے کہ ایک کو دو کے مقابلہ میں شکست ہو لیکن قدرت کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کے نزدیک فتح، کامیابی اور کامرانی صداقت کو ہوئی۔ اس سلسلہ میں ابراہیمؑ و نمرود کا قصہ، موسیٰؑ و فرعون کا قصہ اور آخر میں محمدؐ کریم علیہ السلام اور ابوجہل کا قصہ ہمارے سامنے ہے۔ نمرود خدائی کا مدعی ہے — موت و حیات کی مالکیت کا دعوے دار ہے۔ اور یہ

دعوئے قوت کے زعم میں تھا۔ لیکن بالآخر بے وسائل اور تھوڑی جماعت کے سربراہ ابراہیم علیہ السلام کی ہوئی۔ بنی اسرائیل کے واقعات سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ فرعون کے پاس کیا کچھ نہیں اور موسیٰ علیہ السلام یکہ و تنہا محض ایک برادر بزرگ رفیق سفر ہیں حتیٰ کہ اپنی قوم میں استقلال و استقامت نہیں لیکن فطری اصول یہاں بھی وہی رہا کہ حق غالب آیا۔ فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کیا۔ اس کے اقتدار کو تحفظ دینے کی غرض سے تمام وسائل میسر ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام رات کی تاریکی میں قوم سمیت نکلتے ہیں تو وہ لاؤ لشکر سمیت تعاقب کرتا ہے، فوراً جا پہنچتا ہے کہ اس کے پاس سواری کے انتظامات تھے۔ موسیٰ علیہ السلام غایت درجہ تواضع و عاجزی اور کمال بے کسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خدا کو پکارتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہاتھ کی لاٹھی کو دریا میں پھینکنے کا حکم دیتے ہیں، وہی لاٹھی جو کبھی سانپ بن گئی تھی وہ آج دریا میں ماری تو راستے پیدا ہوتے موسیٰ علیہ السلام کامیاب ہوئے تو فرعون غارت ہو گیا۔ پانی دونوں طرف بصورت دیوار کھڑا ہو گیا، پختہ مضبوط راستے پیدا ہو گئے موسیٰ علیہ السلام مع قوم گزرے لیکن فرعون اپنی راہوں پہ چلا اسے اپنی قوت پہ ناز ہے لیکن وہ پانی کے غوطوں میں دب کر رہ گیا۔ ان غوطوں کے دوران موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے پروردگار کو پکارا، ایمان کا دعویٰ کیا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

جنگ عظیم دوم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ روس پہ جب جرمن کے تابڑ توڑ حملے ہوئے تو روس نے گھبرا کر اس وقت ایک سوپر طاقت کا اعتراف کیا گویا۔ ع

"دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا"

تو انسان کی بے بسی اور خدا کی قوت کا یوں مظاہرہ ہوتا ہے۔

پھر حضور علیہ السلام کے دور کے واقعات سامنے ہیں۔ فاقہ کشی، ہجرت، مال و اولاد کی قربانی سب کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن بالآخر کیا ہوا وہ رہنما و لیڈران کفار بے بسی کے عالم میں بدر کے میدان میں تڑپ رہے ہیں اور کچھ پابجولاں محمد کریم علیہ السلام کے حضور حاضر ہیں اور اس کے چند سال بعد محمد کریم علیہ السلام فاتحانہ مکہ میں داخل ہو کر کعبہ کو بتوں سے صاف کر رہے ہیں اور جَاءَ الْحَقُّ کا زمزمہ زبان پر ہے، وہ ظالم وہ جابر جنہوں نے مدتوں ستایا آج سر جھکائے اپنے انجام کے منتظر ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ رؤف و رحیم نبی نے مدت کے خون معاف کر دیے اور اس طرح خلق عظیم کے مالک ہونے کا عملی مظاہرہ کیا۔ فصلی اللہ علیہ وسلم۔

دوستو! میں جمعیۃ علماء اسلام کا ایک کارکن ہوں، یہ جماعت اہل حق کی ہے۔ اس کی تاریخ روشن و تابندہ ہے تاریخ پڑھیں تو یہاں آپ کو آفتاب و مہتاب نظر آئیں گے ایک سے ایک بڑھ کر، ان لوگوں نے جو کچھ کیا اس کا ہم آج تصور بھی نہیں کر سکتے۔ طویل جیل، لامتناہی مشکلات و مصائب لیکن خودداری پہ آنچ نہ آنے دی۔ استقامت کے پہاڑ بن گئے۔ حضرت لاہوری، حضرت مدنی، حضرت شیخ الہند، حضرت نانوتوی، خاندان ولی اللّٰہی، حضرت مجدد قدس سرہم وغیرہ ذالک۔ یہ اکابر ہیں میرے اکابر، میرے رہنما، میرے سلسلہ کی مقدس کڑیاں، دفاع کا عظیم فریضہ سر انجام دیا۔ بخدا یہ لوگ نہ ہوتے تو آج گلشن اسلام کا یہ انداز نہ ہوتا عالم اسباب میں محافظ حقیقی نے ان سے جو کام لیا اس پر عقلیں حیران ہیں۔ قرآن و حدیث کی خدمت، علوم اسلامیہ کی اشاعت و حفاظت اور اس کے ساتھ ساتھ مجاہدہ، ریاضت، انگریز کا مقابلہ، میدان رزم کی جولانیاں — یہ ان بزرگوں کی خدمات ہیں۔ جن کے صدقہ انگریز اپنے عزائم میں ناکام ہوا۔ فرحمہم اللہ تعالیٰ۔ انگریز کو نکالا۔ آزادی کے بعد یہاں اسلام کی سربلندی کے لیے جب سے اب تک سرگرم عمل ہیں۔ کوئی مسئلہ ہو، قادیانیت کا، دشمنان صحابہؓ کا، منکرین حدیث کا۔ غرض کہ کوئی بھی مسئلہ ہو یہی لوگ غازی و مجاہد بن کر سامنے آئے اور کسی مصلحت کو نہیں دیکھا، ظلم کی پرواہ نہیں کی ڈٹ گئے۔ اگر یہ بات ہوتی کہ ظالم حکمران ہو تو ذرا مصلحت سے کام لو۔ تو انگریز کا ظلم مثالی تھا لیکن انہوں نے بتلایا کہ مصلحت کا سوال ہی نہیں کہ ایسا سوچنا بھی گناہ ہے ہم اسلام کی عظمت و سربلندی کی خاطر مشغول جد و جہد ہیں بزرگوں کی روایات اپنائے ہوئے ہیں آپ سے تعاون کی درخواست ہے آپ کا تعاون ہوگا ملک کی کایا پلٹ جائے گی، امن و سکون کا دور دورہ ہو جائے گا اور یہ دھرتی سکھ و چین کا گہوارہ بن جائیگی اللہ تعالیٰ ہمارے عزائم میں برکت دے آپ کو تعاون علی الخیر کی توفیق دے اور ہماری مساعی کو ثمر آور کرے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ثمرات الاوراق

خطیب اسلام مولانا محمد اجمل مدظلہ

تلواروں کی چھاؤں میں امام اوزاعی کی حق گوئی

حافظ ذہبیؒ نے سفیان وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب خلیفہ عباسی کا چچا عبداللہ بن علی شام میں داخل ہوا اور بنو اُمیّہ کو چن چن کر مروا چکا۔ تو ایک دن اس نے اس طرح دربار سجانے کا حکم دیا کہ ایک صف ایسے نوجوانوں کی آراستہ کی جائے جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہوں۔ دوسری صف ان کی ہو جن کے ہاتھوں میں بلّم ہوں۔ تیسری صف میں وہ سپاہی ہوں جن کے ہاتھ میں کافر کوب ہوں۔ اور چوتھی صف میں وہ کھڑے کئے جائیں جن کے ہاتھ میں گرز ہوں۔ جب حکم کے مطابق دربار سج چکا تو ایک پیادہ بھیج کر اس نے امام اوزاعیؒ کو بلوایا۔ امام اوزاعی بارگاہ کے دروازے پر پہنچے تو سواری سے اتار لئے گئے۔ اور دائیں بائیں سے دو سپاہی ان کے دونوں بازو تھام کر صفوں کے بیچ میں سے لے چلے جب اتنے قریب پہنچ گئے جہاں سے عبداللہ ان کی بات سن سکے تو وہاں ان کو کھڑا کر دیا اس کے بعد عبداللہ اور اوزاعی میں حسبِ ذیل گفتگو ہوئی۔

عبداللہ : تم عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی ہو؟

اوزاعی : ہاں، خدا امیر کی اصلاح فرمائے۔

عبداللہ : بنی اُمیہ کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

اوزاعی : آپ کے باہم کچھ معاہدے تھے جن کی پابندی اور عہد کا ایفا لازم تھا۔

عبداللہ : جی صاحب! اس کو چھوڑیئے فرض کیجئے کہ ہمارا باہم کوئی معاہدہ نہ ہو تو پھر؟

اوزاعی نے دیکھا کہ اب صاف صاف جواب کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ صاف جواب دینے کے بعد جان بچنا بھی ممکن نہیں ہے مرنے کو کس کا دل چاہتا ہے۔ مگر میں نے سوچا کہ اللہ کے حضور میں ایک دن کھڑا ہونا ہے۔ اس لئے میں نے نڈر ہو کر کہا کہ ان کا قتل آپ پر حرام تھا۔ یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا گردن کی رگیں پھول گئیں اور سُرخ سُرخ آنکھیں نکال کر کہنے لگا۔

عبداللہ : تم نے کیسے کہا اور کیوں کہا؟

اوزاعی : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسلمان کا خون تین ہی صورتوں میں روا ہو سکتا ہے۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے یا کسی کو قتل کر دے۔ یا مرتد ہو جائے۔ (اور بنو اُمیّہ جن کو تم نے قتل کرایا ہے۔ ان میں سے کسی جرم کے مرتکب نہ تھے)

عبداللہ : جی کیا دیا تھا؟ حکومت و خلافت ہمارا (ہاشمیوں کا) ہی حق نہیں ہے۔

اوزاعی : وہ کیسے؟

عبداللہ : کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ (ہاشمی) کو وصی نہیں بنا گئے تھے۔

اوزاعی : اگر وصی بنا گئے ہوتے تو حضرت علیؓ صفین کے موقع پر دو کو حکم مان کر یہ نہ کہتے کہ تم جس کو حاکم یا خلیفہ مقرر کر دو مجھے قبول و منظور ہے۔

یہ سن کر عبداللہ خاموش ہو گیا۔ اس کے غصہ کا پارہ آخری ڈگری تک پہنچ چکا تھا۔ اور امام اوزاعی خیال کر رہے تھے کہ اب میرا سر میرے سامنے گرا چاہتا ہے کہ اتنے میں عبداللہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس کو دربار سے نکالو۔ چنانچہ اوزاعی دربار سے نکل آئے۔ لیکن ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ دیکھا ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کے پاس چلا آ رہا ہے۔ یہ سمجھے کہ میرا سر قلم کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس لئے جلدی سے اپنی سواری سے اترے کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ اور اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی۔ ابھی نماز ہی میں تھے کہ سوار آ پہنچا جب فارغ ہو گئے۔ تو اس نے سلام کیا۔ اور کہا کہ امیر نے یہ اشرفیاں آپ کے پاس بھجوائی ہیں۔ اوزاعی فرماتے ہیں کہ میں نے ان اشرفیوں کو گھر پہنچنے سے پیشتر ہی تقسیم کر کے ختم کر دیا۔ (تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۰)

ابن ابی ذئبؒ دربار منصور میں

ابونعیم کا بیان ہے کہ جس سال خلیفہ منصور نے حج کیا ہے اسی سال مجھ کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی تھی میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ منصور جب مکہ معظمہ پہنچا تو اس نے ابن ابی ذئبؒ کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئے تو دار الندوہ میں ان کو اپنے پاس بٹھا کر پوچھا کہ حسن بن زید (علوی جو منصور کی طرف سے مدینہ کے قاضی تھے۔ مگر منصور کسی بات پر ان سے برہم ہو گیا تھا اور قضا سے برطرف کر کے ان کو جیل خانہ بھجوا دیا تھا) کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟

ابن ابی ذئبؒ نے کہا وہ انصاف شعار اور عدل گستر تھے۔ منصور نے کہا اور میری نسبت کیا رائے ہے؟ ابن ابی ذئب نے پہلے سکوت کیا لیکن منصور نے بار بار پوچھا تو ابن ابی ذئب نے خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کر کے صاف فرمایا کہ اس گھر کے مالک کی قسم کہ تو بے انصاف و ناحق پرست ہے۔ منصور کے دربان ربیع نے یہ تلخ اور بے باکانہ جواب سن کر ابن ابی ذئب کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ مگر منصور نے اس کو ڈانٹا کہ حرام زادے چھوڑ دے۔

ابن ابی ذئب منصور کے بیٹے مہدی کے عہد حکومت میں بھی زندہ تھے۔ چنانچہ جس وقت مہدی نے حج کیا اور حج سے فارغ ہو کر روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے مسجد نبوی میں حاضری دی تو مسجد میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا نہ ہو گیا ہو۔ صرف ایک ابن ابی ذئب تھے جنہوں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ کسی نے کہا کہ حضرت کھڑے ہو جایئے یہ امیر المومنین ہیں تو برجستہ فرمایا۔

انما یقوم الناس لرب العالمین کہ یہاں رب العالمین کے لئے لوگ کھڑے ہوا کرتے ہیں۔ مہدی یہ جواب سن کر کانپ گیا۔ اور اسے ڈانٹا کہ ان کو نہ چھیڑو۔ میرے بدن کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ (تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۱)

حضرت امام سفیان ثوریؒ کی مومنانہ قوت

جب ابوجعفر منصور حج کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے کہا کہ سفیان ثوری سے میری ملاقات انتہائی ضروری ہے۔ لوگ میری گھات میں رہے۔ اور بیت اللہ کے قریب انہوں نے مجھے پکڑ لیا۔ اور منصور کے پاس لے گئے۔ جب میں منصور کے پاس پہنچا تو اس نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا۔ اور کہا کہ تم ہمارے پاس کیوں نہیں آیا کرتے۔ تاکہ ہم اپنے معاملات میں آپ سے مشورہ کر سکیں اور اس کے مطابق اپنا رویہ اختیار کر سکیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ نے اس سفر میں کیا کچھ خرچ کیا۔ منصور نے جواب دیا مجھے کیا معلوم میں نے وکیل اور نائب مقرر کئے ہوئے ہیں۔ وہ حساب جانتے ہوں گے۔ میں نے کہا کہ کل جب خدا کے سامنے کھڑے ہو گے۔ تو وہ اس بارے میں باز پرس کریگا۔ تم کیا جواب دوگے؟ حضرت عمرؓ کا تو یہ حال سنا ہے کہ جب انہوں نے حج کیا تو اپنے غلام سے پوچھا کہ اس سفر میں کیا خرچ ہوا ہے؟ غلام نے کہا۔ اٹھارہ دینار۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا افسوس ہم نے مسلمانوں کے بیت المال پر زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے۔ اس کے بعد سفیانؒ نے کہا کہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے مال میں اور اس کے رسول کے مال میں گھپلے اڑاتا ہے اس کے لئے کل جہنم کی آگ ہے۔

اس موقع پر منصور کے سیکرٹری ابوعبید اللہ نے کہا کیا امیر المومنین کے سامنے اس قسم کی باتیں کی جاتی ہیں؟ اس کے جواب میں پوری مومنانہ قوت کے ساتھ حضرت سفیان نے جواب دیا۔ تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں خاموش رہو۔ فرعون نے ہامان کو ہلاک کیا تھا اور ہامان فرعون کی بربادی کا سبب بنا تھا۔ (بحوالہ سراج الملوک صفحہ ۵ شرح مسند احمد از)

بقیہ :- مجلسِ ذکر

امراض جسمانی و روحانی میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ جسمانی مرض میں فوراً احساس ہو جاتا ہے چاہے بڑا ہو یا چھوٹا لیکن امراض روحانی کا احساس کسی کو بھی نہیں ہوتا۔ جیسے شرک، کفر، ریا، حسد، طمع، بخل، جھوٹ وغیرہ ذالک۔ ان کا احساس اہل اللہ کے یہاں آ کر ہوتا ہے۔ وہ پھر ان کا علاج کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالےٰ رحم فرما دیتے ہیں۔ یہ ذکر و فکر، یہ مراقبہ، یہ وظائف اوراد وغیرہ، یہ مقصود نہیں۔ یہ اصلاح و علاج اور تندرستی کے لیے روحانی اطباء اور ڈاکٹروں کے نسخے ہیں۔ ان نسخوں کو ان کی ہدایات کے مطابق استعمال کریں۔ ان کے کہنے کے مطابق پرہیز کریں۔ تو صحت کاملہ نصیب ہو جاتی ہے اور پھر انسان اس دنیا اور آنے والی دنیا میں سرخرو ہو جاتا ہے۔ خدا ہم سب کو کامیاب و کامران فرمائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

عہدِ فاروقی کے سیاسی اور جنگی کارنامے

ایک بے مثال حکمران
ایک لازوال عدالت

ضیاء الرحمٰن فاروقی، لائلپور

ایک شخص خلافتِ عظمیٰ کے خلعتِ مرصع سے آراستہ ہے۔ نصف دنیا اس کا محورِ حکمرانی ہے بڑے بڑے قیصر و کسریٰ اس کے نام سے لرزتے ہیں۔ مگر اس کی حالت یہ ہے کہ کھجوروں کی چٹائی بچھونا ہے، پیوند شدہ کپڑا اس کا لباس ہے۔ جو کی سوکھی روٹی غذا۔ خدا خوفی کا یہ عالم ہے کہ راتوں کو مصلّے کی پشت پہ سجدہ ریز ہے۔ دن کو عدل و انصاف کا ترازو ہاتھ میں ہے۔ رعایا پرور ایسا ہے کہ عظیم منصب کے باوجود گلیوں میں پہرہ دے رہا ہے۔ فقیروں کی حاجت روائی اور بے چاروں کی چارہ گری اس کا طرزِ حکمرانی ہے۔ وہ دلوں پہ بادشاہ ہے۔ ظاہر پہ بھی اس کی حکومت ہے۔

یہ شخص اسلام کا عظیم فرزند خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) ہجرتِ نبوی سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کی ولادت ہوئی خطاب کے گھرانے میں غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا گیا۔ آپ جب سنِ شعور کو پہنچے تو باپ نے اونٹوں کو چرانے کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی۔ خطاب نہایت ہی بے رحمی سے ان سے اونٹوں کے چرانے کا کام لیتے۔ آپ جب تھک کر دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمرؓ کو یہ خدمت انجام دینی پڑی اس کا نام ضجنان ہے یہ مکہ معظمہ کے قریب ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت عمرؓ عرب کے شریفانہ مشاغل میں شریک ہو گئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھا۔ عربوں کے یہاں یہی مشاغل تعلیم کا درجہ رکھتے تھے ان میں نسب دانی، پہلوانی، سپہ گیری اور تقریر و شاعری شامل تھے۔ آپ نے ان تمام چیزوں میں کمال حاصل کیا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ آپ نے تو سن ہی رکھا ہوگا۔ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد یقین کیجئے اسلام میں قدرتی طور پر نمایاں کامیابی ہوئی۔ جو عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے مانگا تھا اس کے کلمہ پڑھتے ہی اسلام کا نعرہ ہر طرف گونجنے لگا۔

آج کے بعد اسلام کوئی خفیہ نہیں رہا بلکہ اس کی نورانی شعاعیں سرِ عام نکل کر ہدایت کا غازہ بن گئیں۔

ہجرت کے موقع پر بھی ایک عمرؓ ہی تھا جو واشگاف الفاظ میں کچھ کہہ رہا تھا:۔

"آج کفر و شرک کے پجاری سن لیں۔ آج عمرؓ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر رہا ہے۔ کوئی خفیہ ہجرت نہیں بلکہ علی الاعلان سفر کرنے والا ہوں۔ جس نے بچوں کو یتیم، عورتوں کو بیوہ کرانا ہو وہ آ کر مجھے روکے۔"

اسلام کی اس گرجدار آواز نے جہاں شرک و کفر کے محلات میں دراڑیں پیدا کر دیں وہاں تحریک اسلامی کی سطوت اور اس کے پروگرام کا غلبہ بھی آج ہی نمایاں ہو گیا۔

عہدِ نبویؐ میں حضرت عمرؓ کی خدمات

● حضرت عمرؓ غزوۂ بدر میں شانہ بشانہ آنحضرتؐ کے ساتھ کارزار میں اُترے اور ان کی شرکت ہی کی وجہ سے ان کے قبیلے بنو عدی میں کسی کو مشرک ابوجہل کی فوج میں شامل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ سب سے پہلے اس معرکہ میں جو شخص شہید ہوا وہ حضرت عمرؓ کا غلام مہجع تھا۔

● غزوۂ اُحد میں حضرت عمرؓ شریک ہوئے اور خصوصیت یہ تھی کہ جب ابوسفیان نے پکارا کہ تم میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم) زندہ ہے۔ اس کا جواب دینے والے آپ ہی تھے۔

- آپ غزوہ بنو نضیر میں سنہ ۴ھ میں شریک ہوئے۔
- سنہ ۵ھ میں غزوۂ خندق میں بے مثال کارنامے سرانجام دیے۔
- سنہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ میں آپ کے بپھرے ہوئے جذبات نے کفر کے زور کو توڑ دیا۔
- سنہ ۷ھ میں جب آنحضرت نے چودہ سو پیدل سواروں کے ساتھ خیبر کا رُخ کیا۔ اس میں حصن ناعم، حصن خموص، حصن صعب و طیح کو فتح کرنے والے حضرت عمرؓ ہی تھے۔
- سنہ ۸ھ میں فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو آپ بھی ایک دستے کے سردار بنائے گئے۔
- اسی سال میں ان کی لڑائی جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے پیش آئی۔ اس میں ثابت قدم رہنے والوں میں ہی آپ کا نام نمایاں ہے۔
- سنہ ۹ھ میں جب مشہور ہوا کہ قیصر روم عرب کے خلاف تیاریاں کر رہا ہے تو آنحضرتؐ نے فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ نے دفاعی فنڈ میں گھر کا نصف سامان لا کر دے دیا۔ اور مدینہ سے فوج کے ساتھ بھی روانہ ہوئے۔

اس طرح اسلام کے اس فرزند نے عہد نبویؐ میں جانی، مالی ہر قسم کی قربانی دے کر بے مثال کردار ادا کیا۔

فاروقِ اعظمؓ کا سیاسی کردار

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ جب منصب خلافت پر رونق افروز ہوئے تو خلیفۂ اوّل کی بیعت کرنے والوں میں آپ کا نام سرِفہرست ہے خلافت صدیقی کے اختتام کے بعد جب حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت سنبھالی تو آپ نے سب سے پہلے ملک کے اندرونی اور بیرونی استحکام پر زور دیا۔ جو فوجیں فتوحات کی غرض سے تیار کھڑی تھیں ان کو فوراً محاذ کی طرف روانہ کیا گیا۔ اسلحہ اور ساز و سامان کا خاص طور پر انتظام کیا گیا۔ آپ نے سب سے پہلے فوج عراق کی طرف روانہ کی۔ اس مہم میں ابو عبیدہ ثقفی کو سپہ سالار مقرر کیا اور یہ فوج مقام انمارق پہنچی تھی کہ دشمن سے آمنا سامنا ہوا۔ شاہ مروان قتل کر دیا گیا۔ ابو عبیدہ آگے بڑھے نرسی کو شکست دی، آگے بڑھے تو ایرانی فوج نے بہت سے کوہ پیکر ہاتھی آگے کر دیے جن پر گھنٹے لٹکتے جاتے تھے، کچھ گھوڑے تھے جن پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ پُر ہیبت ماحول کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بدک کر پیچھے چلے۔ ہشیار ابو عبیدہ گھوڑے سے اتر پڑے۔ ساتھیوں کو للکارا۔ جانبازو! ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت الٹ دو۔ یکایک فاروق اعظمؓ کی تربیت یافتہ فوج نے ہودوں کی رسیوں کو کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو زمین پر گرا دیا۔ اس طرح جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔

غرض میں یہ کر رہا تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں فاروقِ اعظمؓ نے فوجی سپاہیوں کو اچھا جنگجو بنا دیا تھا۔ کہ مجاہدوں نے سمندر میں جا جا کر لڑائیاں لڑیں اور کفر کے غرور کو تہ و بالا کر دیا۔ شاعرِ مشرق نے اسی نقشہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

فاروقِ اعظمؓ کی فتوحات کا روحانی نقشہ

- عہد فاروقی میں تقریباً ۳۶۰ شہر فتح ہوئے۔
- تخریب کی جنگ لڑی گئی تو فاروقِ اعظمؓ سالار بن کر نکلے اور کامران ہوئے۔
- سنہ ۱۴ھ کو جنگ قادسیہ کی خونریز جنگ میں فتح و شادمانی کی راہیں استوار ہو گئیں۔
- ایران فتح ہو گیا بابل پر اسلام کا پرچم لہرا دیا گیا۔
- مدائن فتح ہوا۔ ایرانی ہار گئے۔
- جلولا کی لڑائی ہوئی۔ فاروق اعظمؓ نے ہاشم بن عتیبہ کو سالار بنا کر بھیجا اور وہ فتح کا مژدہ لے کر مدینہ پہنچے۔
- ابو عبیدہ کو حمص بھیجا گیا وہ فاتح ہو کر واپس آئے۔
- یزید بن ابی سفیان کو دمشق بھیجا گیا وہ فتح کا پیغام

لے کر آئے۔

○ شرجیل کو اردن کی طرف بھیجا گیا وہ بھی فاتح بن کر آئے۔

○ عمرو بن العاص کو فلسطین میں بھیجا۔ وہ بھی کامران و کامیاب لوٹے۔ ان جنگوں میں فوج کی کل تعداد ۴۲۰۰۰ تھی۔

○ شام کی دوسری فتوحات کے بعد دمشق کی فتح کے لیے چار جرنیلوں، خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاص، ابو عبیدہ اور شرجیل کو بھیجا۔ مسلمانوں کی دو ہزار فوج کے سپاہیوں نے عیسائیوں کے چھکے چھڑا دیے۔

○ دمشق کی سلطنت کے بعد رومیوں کا علاقہ فتح کیا گیا۔

○ ۱۵ھ میں علاقہ یرموک فتح کیا گیا۔

○ ۱۶ھ کو حضرت عمرؓ خود بیت المقدس گئے اور فتح کا پیغام لے کر لوٹے۔

○ ۱۷ھ میں دجلہ و فرات کا درمیانی جزیرہ فتح کر لیا گیا۔

○ حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش کو ناکام بنا دیا گیا۔

○ ۱۹ھ میں شام کے ساحل کا علاقہ قیساریہ فتح کر لیا گیا۔

○ ۲۰ھ میں عراق و فارس کا درمیانی علاقہ ھوزستان جس میں ۱۴ بڑے بڑے شہر تھے فتح ہوا۔

اسی سال مصر فتح ہوا۔

○ ۲۱ھ میں عراقِ عجم پر پرچم اسلام لہرایا گیا۔

اسی سال حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا اعلان کر دیا۔ جس سے ایک سو سے زیادہ علاقے فتح ہوئے۔

اسکندریہ بھی اسی سال فتح ہوا۔

○ ۲۲ھ میں آذربائیجان فتح ہوا۔

اسی سال طبرستان اور آرمینیہ حلقۂ اسلام میں آیا۔

اوائل ۲۳ھ میں فارس کی پوری سلطنت فتح ہو گئی۔

اسی سال کرمان، سیستان، مکران اور خراسان فتح ہوئے۔

یزدگرد کی شکست بھی اسی سال ہوئی۔

خلافتِ فاروقیؓ کی قومی اور ملی اصلاحات

حضرت عمرؓ کی حکومت کوئی شخصی یا بادشاہی حکومت نہ تھی بلکہ وہ اسلامی جمہوریت کی تابندہ مثال تھی۔ آپ نے اپنے عہد میں جن ترقیاتی کاموں کی ابتدا کی اور آج تک دنیا جن اصولوں سے راہنمائی حاصل کر رہی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے چند ایک اصول اور چند ایک اصلاحات ملاحظہ ہوں:۔

○ مجلسِ شوریٰ کے شعبوں کو قانونی حیثیت دی گئی۔

○ خلیفہ اور عوام کا جاہلانہ امتیاز ختم کر کے ایک ہی صف میں فقیر و شہنشاہ کو کھڑا کرنے کا اصول وضع کیا گیا۔

○ ملکی انتظامات کے الگ الگ محکمے (وزارتیں اور شعبے) قائم کیے گئے۔

○ ملک کی تقسیم میں صوبجاتی مہم کا آغاز کیا گیا۔

○ اضلاع اور تحصیلوں کے موجودہ نظام کی ابتدا کی گئی۔

○ صوبوں کے گورنروں کو ہر گھڑی کھلی کچہری قائم کرنے کی تلقین کی گئی۔

○ حفاظتی انتظامات، لاؤ لشکر اور جاہ و حشمت کے نظام کو عملاً ختم کر دیا گیا۔

○ گورنروں اور دوسرے محکموں کے عام افسروں کو عیش پرستی اور ہر قسم کی جاہ و غرور کی پالیسی سے سختی سے روکا گیا۔

○ اپنی حکومت کے افسروں کو مکمل گزارہ الاؤنس عطا کر کے رشوت ستانی کا بیج ختم کر دیا گیا۔

○ ترقی پذیر زراعت کے لیے مختلف محکمے قائم کیے گئے۔

محکمہ آبپاشی کی ابتدا کی گئی۔

○ زمین کے متعلق خراج کا بے مثال طریقہ ایجاد کیا گیا۔

○ امداد باہمی کا شعبہ ترویج دیا گیا۔

○ وصولی زکوٰۃ کے لیے ایک محکمہ قائم کر کے ملکی بجٹ کو مضبوط بنایا گیا۔

○ بیت المال کا قانونی محکمہ قائم کر کے بچوں، بوڑھوں اور بے روزگاروں کے لیے وظائف مقرر کیے گئے۔

○ عدالتِ شرعیہ کے فیصلے کو ہر بستی تک پہنچانے کے لیے دیانت دار قاضیوں کا محکمہ قائم کیا گیا۔

○ محکمہ افتاء قائم کیا گیا۔

○ فوجداری اور پولیس کے محکمے کے ساتھ ساتھ جیل خانہ کی ایجاد کی گئی۔

○ پبلک ورکس قائم کیے گئے۔

○ دُور دُور تک زرعی ترقی کے لیے زمینوں کی کھدائی کی گئی۔

○ حکومتی سطح پر مہمان خانے قائم کیے گئے۔

○ سڑکوں کی ایجاد کی گئی۔

○ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں قائم کی گئیں۔

○ بصرہ، کوفہ، فسطاط، موصل اور جیزہ جیسے بے مثال شہر آباد کیے گئے۔

○ فوجی انتظامات کے لیے چھاؤنیاں، فوجی بارکیں اور فوجی دفاتر قائم کیے گئے۔

○ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہر سال ۳۰ ہزار کی فوج تیار ہوتی تھی۔ فوج میں عجمی، رومی، خفندی اور یہودی بھی شامل تھے۔

○ تنخواہوں کی تقسیم کے لیے ایک الگ شعبہ قائم کیا گیا۔

○ فوج کی بہبود کے لیے اختلافِ موسم، تنخواہوں میں اضافہ، فوجی لباس، فنِ جنگ کی ترقی، قلعہ شکن آلات کی مشق، جنگوں کا طریقِ کار کا خاص لحاظ رکھا گیا۔

○ اشاعتِ اسلام کے لیے قرآن کے ہزاروں مدرسے قائم کیے گئے۔

○ ۹ سو جامع مساجد اور ہزارہا عام مساجد قائم کی گئیں۔

○ عربی تعلیم عام کی گئی۔

○ صحابہؓ اور علماء کی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ شہروں میں بھیجی جاتیں۔

○ ادب اور عربیت کا خاص لحاظ رکھا جاتا۔

○ مسائلِ فقہ اور خلافتِ اشاعت کے لیے مختلف محکمے قائم کیے گئے۔

○ اماموں اور مؤذنوں کو سرکاری طور پر مقرر کیا جاتا۔

○ عہدِ فاروقی میں ہی سیرتِ نبوی کے پرچار کا آغاز ہوا۔

○ مساجد اور مدارس کی تعمیری حالت کا ذمہ خلافت کے سر ہوتا تھا۔

○ اسی دَور میں مردم شماری، بیت المال کے کاغذات کے رجسٹر اور سکّہ کے امور ایجاد ہوئے۔

○ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں "مذہبی امور" کی آزادی دی گئی۔ بیکن شرعی حدود کے اندر۔

○ تقریر و تحریر پر کوئی پابندی نہ تھی۔

○ ذمیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا قانون رائج کیا گیا۔

○ غیر اسلامی ممالک سے دفاعی، تجارتی، معاشی اور اقتصادی معاہدے بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں کیے گئے۔

○ عدل وانصاف کو مثالی حیثیت دی گئی۔

○ غرباء اور مساکین کے وظائف مقرر کیے گئے۔

اسی طرح عہدِ فاروقی میں سینکڑوں اصلاحات ہوئیں۔ ان کی بے مثال حکومت اور لازوال عدل وانصاف سے غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ نے دس سال، چھ ماہ اور چار دن حکومت کی۔ بالآخر فیروز کے خنجر سے ۲۷ ذوالحج کو زخمی ہوئے اور یکم محرم ۲۴ھ کو شہید ہو گئے۔

جانباز مرزا علیل ہیں

جمعیۃ علماءِ اسلام لاہور کے ناظم نشریات جانباز مرزا ۲۵/۱۲ سے علیل ہیں۔ ایک حادثہ میں ان کے سینہ میں دائیں طرف کی پسلیاں متاثر ہوئی ہیں۔ احباب سے دعا کی درخواست ہے۔

۱۰ / اگست ۷۴ء کو ایک تقریر پر ۳ / دسمبر ۷۵ء کو (۱½ سال بعد) بہاولپور کی انتظامیہ نے ان کے نام سمن بھیجے جس پر وہ متعلقہ تاریخ کو اے۔ سی حاصل پور کی عدالت میں پیش ہوئے اور ۱۰ / دسمبر کے بعد ۱۹ / دسمبر کو ان کی ضمانت کی توثیق ہو گئی۔ اس موقعہ پر سردار محمد اسلم خاں وکیل نے ان کی پیروی کی۔

ایک سفر ایک داستان
(مسلسل)

روضہ رسولؐ سے
بقیع غرقد تک

سید محمد طیب ہمدانی

پڑاؤ پر سامان اتروا کر صبح کی نماز ادا کی اور کرایہ کی گاڑیوں پر سامان لدوا کر شہر خوباں کو روانہ ہوئے۔ مدینہ یونیورسٹی کے پاس سے گذر ہوا جو جدید ترین خوبصورت عمارات کا مجموعہ ہے۔ لیکن کھوئی کھوئی نگاہ کسی اور منظر کی متلاشی ہے۔ عمارات مدینہ منورہ میں سب سے پہلے سب سے سربرآوردہ جو نظر آیا وہ گنبد خضراء ہی تھا۔ دل سینہ میں دھڑک دھڑک کر باہر نکلا پڑتا ہے اور آنکھیں اس کی ہمنوائی کر رہی ہیں:۔ اللھم صل وسلم وبارک علی حبیبک ونبیک سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

مدینہ منورہ اگرچہ عمارات کافی بلند و بالا ہیں۔ بعض تو گنبد خضراء کیا مینار سے بھی بلند لیکن ہر آنے والے کو سواد مدینہ میں سب سے پہلے سب سے بلند گنبد خضراء ہی نظر آئے گا۔ اس کی وجہ یہ محسوس ہوئی، کہ سرور کائناتؐ میانہ قد ہونے کے باوجود قد آور صحابہ کے جلوس میں سب سے سربرآوردہ نظر آتے تھے۔ اب یہ معجزہ گنبد خضراء میں واضح وعیاں ہو رہا ہے۔

قیام پر پہنچ کر نہا دھو کر لباس تبدیل کر کے خوشبو لگائی اور درود وسلام پڑھتے مسجد نبوی کو چل دیے۔ خلفائے ترکیہ کے زمانہ کا تعمیر شدہ باب جبریل سامنے ہے ننگے پاؤں باب جبریل میں قدم رکھنا تھا کہ جسم کا رواں رواں کانپ گیا۔ اسی دروازہ سے سید الملائکہ جبریل بارگاہ نبوت میں حاضری دیتے رہے اور نا معلوم اب روزانہ کتنی نورانی مخلوق اس دروازہ سے حاضر مواجہہ ہوتی ہے، اور مجھ جیسا بے مایہ انسان جس کے پاس سوائے گناہوں، سستیوں، کاہلیوں کے اور کچھ ہے ہی نہیں، اس دروازہ میں قدم رکھنے کی جسارت کر رہا ہے۔ لیکن اس در کے سوا اور کون سا در ہے جہاں گناہگاروں کو پناہ ملے۔ آپ ہی بے سہاروں کا سہارا اور بے یاروں کے مددگار ہیں۔ یہ شفیع المذنبینؐ کی بارگاہ ہے۔ یہ رحمۃ للعالمین کا آستانہ ہے۔ یہاں تو عفو و درگذر کی ہی فرمانروائی ہے۔ آقا میں خود حاضری کی جسارت نہیں کر رہا۔ آپؐ نے طلب فرمایا ہے تو حاضر ہوا ہوں۔ مقام نازک تر زعرش کے تصور سے کپکپا تے۔ اور شافع امت کے بارگاہ میں حاضری اور وجبت لہ شفاعتی کی خوشخبری سے مسرور ہوتے ان خوف ومسرت کے ملے جلے جذبات لیے مقام اصحاب صفہ سے ہوتے ہوئے ریاض الجنۃ میں دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کر کے کوشش کی گئی کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دی جائے لیکن شدید بھیڑ اور دھکم پیل سے مایوسی ہوئی اور نماز ظہر بعد اذان عصر درود وسلام میں مشغول رہے، اور اس یقین و ایمان سے کہ مسجد نبوی میں جو بھی درود شریف پڑھے گا۔ آپ اسے خود سن لیں گے آخر نماز عصر کے بعد بچتے بچاتے مواجہہ میں حاضری دی اور سامنے کے ستون کی اوٹ لے کر کھڑا ہو گیا۔ معاً آپ کے احسانات و انعامات وساری بنی نوع انسان پر آپ کی عنایات کا نقشہ ذہن میں ابھر آیا۔ گردن اسی بارگراں سے جھک گئی۔ نگاہ اٹھانے تک کی جرأت نہ ہوئی۔ آنکھوں سے آنسو ہیں کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے زبان پر صلوٰۃ وسلام کے الفاظ جاری ہو گئے:۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ ویا صفوۃ اللہ ویا خیر خلق اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ الذی ھدانا اللہ بک من الضلالۃ وانقذنا بک من الشرک والجہالۃ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ ویا صفی اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا شفیع المذنبین ویا رحمۃ للعالمین ویا قائد الغر المحجلین ویا خاتم النبیین۔ الصلوٰۃ والسلام علیک وعلی اھل بیتک الطیبین الطاھرین وعلی ازواجک امہات المؤمنین وصحابتک واولیائک اجمعین۔

کہنے کو تو پست آواز سے سلام عرض کر دیا۔ نگاہ زمین پر گڑی ہے۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب ہے کہ رکنے میں نہیں آ رہا۔ جسم اس تصور سے کانپ رہا ہے کہ اپنی بے کاریوں نافرمانیوں کے باوجود اس بارگاہ قدسی صفات میں کھڑا ہوں جو اپنی حیات طیبہ کے باعث میری حرکات سکنات کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ دبے لفظوں عرض کیا اے اس مقام پر آرام کرنے والے جو عرش معلی سے بھی برتر ہے۔ خداوند قدوس کے کروڑہا صلوٰۃ وسلام تیری ذات والا صفات پر۔ ملاحظہ فرمائیے اک بندہ گنہگار عاصی وخطاکار تیری شفاعت کی آرزو لیے تیری رحمۃ للعالمینی اور صفت رافت ورحمت کے صدقے اور تیری عفو وچشم پوشی کے سہارے تیری بارگاہ

یہاں حاضر ہو کر اپنے رب رحیم و کریم جو ستار العیوب اور غفار الذنوب بھی ہے، سے اپنے چھوٹے بڑے ظاہر و باطن جرائم کا اقرار کر کے عفو و درگزر کا خواہاں ہے۔ اے کہ تیری رحمت سب جہانوں کو شامل ہے۔ اے کہ جس کے در سے کوئی سائل کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹتا۔ اے جس نے خون کے پیاسوں کو بھی معاف کر دیا اور بیگانوں سے بھی حسن سلوک سے پیش آیا، ترا ایک ادنیٰ اُمتی تیرے در دولت سے شفاعت کا خواہاں اور آغوش رحمت کا طالب ہے۔ درخواست گذارتا تھا کہ یوں محسوس ہوا کہ عرضداشت کی سماعت ہوئی اور قبولیت کا حکم بھی صادر ہو گیا اب طبیعت میں قرار و سکون نے جگہ لے لی۔ بے چینی و اضطراب ختم ہو گیا اور قلب میں لطف و سرور کا دریا اُمڈ آیا۔ فللہ الحمد

گرچہ ستون کی اوٹ محفوظ مقام تھا لیکن ایک ریلا ایسا آیا کہ وہاں نہ ٹھہر سکا دو قدم داہنی جانب ہٹ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ کی خدمت میں سلام عرض کیا السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ یا صاحبہ و رفیقہ فی الغار والمزار جزاک اللہ عنا خیر الجزاء۔

اور پھر دو قدم اور ہٹ کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حاضری دی السلام علیک یا امیر المومنین یا ناطق الحق والصواب جزاک اللہ عنا خیر الجزاء

بارگاہ نبوت کی حاضری عظیم ترین سعادت و خوش بختی ہے۔ لیکن اس مقام کا ادب و احترام واجبات سے ہے اور اس میں کمی بہت بڑی بدنصیبی و بدبختی۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے روضہ مطہرہ میں حیات طیبہ حاصل ہے اور بروایات صحیحہ آپ ہر آنے والے پر توجہ فرماتے ہیں، سلام سنتے ہیں، جواب دیتے ہیں۔ اس لیے مواجہہ شریفہ میں اب بھی وہی ادب و احترام کی صورت لازمی ہے۔ جو اس وقت تھی جب کہ سامنے نظر آتے تھے۔ سب سے اول عجز و فروتنی جس میں نگاہ اُٹھانے کی جرأت نہ ہو۔ دوسرا آواز پست رکھنا کہ کسی بھی صورت میں آواز بلند نہ ہونی چاہیئے صلوٰۃ و سلام کی صورت میں ہو۔

بلند آوازی سے بے عقلی ثابت ہوتی ہے اور حبط اعمال کی سزا بھی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ بہر حال ادب کی ہر صورت اپنانی ضروری ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ جو مقام نازک تر از عرش ہے۔ جہاں ملائک بھی اپنے پر سمیٹے گم سم حاضری دیں۔ جہاں جنید و بایزید بھی دم بخود ہو جائیں۔ جہاں صحابہ بھی، کانما علی رؤسہم الطیر کا منظر پیش کریں، جہاں بڑے بڑے اولیاء کی زبانیں فرط ادب سے گنگ ہو جاویں اور انھیں بھی نگاہ اٹھانے کی جرات نہ ہو وہاں آج کے عشاق شور و شغب کریں۔ دھکم پیل سے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں۔ درحقیقت یہ صورت جب ہی پیش آتی ہے جب کہ اپنی حیثیت کو بھول جائے، یا امام الانبیاء کے مقام اعلیٰ و برتر سے ناواقف ہو۔ اس سے بڑی جہالت اور گستاخی کیا ہو سکتی ہے اور اس سے بڑی بدنصیبی اور بدبختی اور کون سی ہو سکتی ہے۔ ایک دفعہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کوڑہ بدست تشریف لا رہے تھے۔ مواجہہ شریفہ میں نہیں بلکہ مسجد نبوی میں دو شخص بلند آوازی سے باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے ناراض ہو کر پوچھا "کہاں کے رہنے والے ہو" عرض کیا فلاں دیہات کے۔ فرمایا اگر شہری ہوتے اجڈ دیہاتی نہ ہوتے جنھیں آداب سے بے خبری ہوتی ہے تمھاری اس کوڑہ سے خبر لیتا۔

اترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ وعند رسول اللہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شور مچا رہے ہو، اور پھر جب کہ:۔

من صلی علی فی مسجدی ھذا اسمعتہ باذنی ھاتین

کا واضح ارشاد موجود ہے تو بھیڑ کرنا دھکم پیل سے دوسروں کو تکلیف دے کر آگے بڑھنا یا جالی کو جھنجھنانا جیسے کسی سوئے ہوئے بے خبر کو جگایا جاتا ہے، کیسے جائز ہو گا؟ بحمد اللہ بارہا حاضری اور سلام کے مواقع نصیب ہوئے اور ہر بار مختلف احساسات و واردات سے دو چار ہونا پڑا۔ فالحمد للہ حمداً کثیراً و صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

آج کل مسجد نبوی کی عمارت دو قدیم و جدید حصوں میں منقسم ہے شاہان ترکی کی تعمیر کردہ اور شاہ سعود کی شاہان ترکیہ کا تعمیر کردہ حصہ عرب و ترک طرز تعمیر کا حسین امتزاج ہے۔ قطار اندر قطار ستون اور ان پر مدور گنبد چھتیں۔ باب جبریل اور باب السلام اسی حصہ میں شامل ہیں۔ باب جبریل سے داخل ہوں تو دائیں ہاتھ اصحاب صفہ کے بیٹھنے کی جگہ ہے یعنی اسلام کے اولین مدرسہ کا دار الطلبہ۔ بائیں طرف غرفہ سیدہ فاطمۃ الزہرا ہے۔ یہ غرفہ جالی دار اس رقبہ میں شامل ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے دونوں ساتھی آرام کر رہے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت فاطمۃ الزہرا یہیں آرام کر رہی ہیں دوسری کے مطابق جنت البقیع میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پہلو میں اور بقول بعضے بیت الحزن میں۔ واللہ اعلم بالصواب، اسی مسقف حصہ میں حجرات نبوی اور محراب عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہے

منبر ہے اور میذنہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جہاں جہاں جو کچھ تھا وہیں ہی سب کچھ ہے۔ صرف تعمیرات نے شکل بدل دی ہے۔ منبر نبوی اور روضہ مطہرہ کے درمیانی حصہ مسجد میں سفید ستون تعمیر کیے گئے ہیں یہ حصہ ریاض الجنۃ کہلاتا ہے۔ بعض ستون تاریخی اہمیت کے حامل ہیں مثلاً منبر نبوی کے ساتھ والا ستون جسے حنانہ کہتے ہیں۔ یہ اسی ستون کی جگہ پر ہے جہاں کھجور کا ستون زمانہ نبوی میں نصب تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر بنا دیا گیا اور آپ اس پر فروکش ہوئے تو اس عاشق زار نے فراق نبویہ سے چلانا شروع کر دیا بالآخر آپ اس سے لپٹ گئے جب اس کی سسکیاں ختم ہوئیں۔ اسی طرح ایک ستون ابو لبابہ کے نام سے مشہور ہے ابو لبابہ نے ایک غلطی کی بنا پر اپنے کو یہاں جکڑ دیا تھا۔ آخر رحمت الٰہیہ متوجہ ہوئی توبہ قبول ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کی زنجیریں کھولیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض ستون ایسے ہیں جن سے تاریخی روایات مشہور ہیں۔

یہ حصہ مسجد کے نقش و نگار سے مزین ہے اور جھاڑ فانوس بھرا ہوا ہے۔ دوسرا حصہ شاہ سعود مرحوم کے زمانہ میں تعمیر ہوا ہے جو قدیم و جدید طرز تعمیر کا حسین ترین مرقع ہے۔ اس زمانہ میں مسجد کی کافی توسیع کر دی ہے۔ اسی حصہ کے بیرونی کونے پر چار پتھر نصب ہیں جن پر یہ عبارت کندہ ہے:-

"بنی بیدہ هذا الاحجار الاربعة جلالة الملك سعود تاسیًا بالنبی صلی اللہ علیه وآله وسلم تقبل اللہ منه وذالك فی سنة ۱۳۷۳ھ"

جس سے شاہ سعود کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارادت وعقیدت واضح ہوتی ہے۔ مسجد نبوی کا گرچہ ذرہ ذرہ انتہائی جمیل وحسین ہے۔ تاہم مواجہہ شریفہ کے قرب وجوار کا حصہ لاجواب ہے۔ روضۃ الجنۃ کے بائیں جانب پیتل کی جھلملاتی ہوتی جالی میں تین ہلالی شکل کے سوراخ بنائے جاتے ہیں جو علی الترتیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مواجہہ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس جالی کی اوٹ میں مدور روضہ مبارک ہے۔ جو مختلف دھاتوں سے بنایا گیا اس کے اندر تینوں قبور کچی ہیں۔ جیسا کہ روایات سے واضح ہے۔ ہمارے ہاں ایک تصویر شائع ہوتی ہے جس میں تینوں بڑی بڑی قبریں ان پر منقش چادریں اور سرہانے کے ستون پر پگڑیاں بندھی ہوتی دکھائی دیتی ہیں، ایسی کوئی صورت وہاں موجود نہیں، یہ سب جھوٹ ہے۔ اور یہود کی طرح اپنے افعال شنیعہ کا جواز پیدا کرنے کے لیے افترا پردازی کرنا ہے۔ بہرحال یہ حصہ انتہائی خوب صورت بتلایا جاتا ہے۔ جہاں آیات قرآنیہ اور نقش و نگار سے دیواریں بھری پڑی ہیں۔ لیکن اس کی پوری کیفیت تو وہی بیان کر سکتا ہے۔ جسے اسے دیکھنے کی جرأت ہوئی ہو، اور جو اتنا حوصلہ ہی نہیں کر پاتا بیان کرے تو کیا۔

روضۃ الجنۃ میں بارہا حاضری کا موقعہ نصیب ہوا ایک روز منبر نبوی کے پاس ہی تلاوت میں محو تھا کہ میذنہ سے مؤذن نے حجازی لہجہ میں خداوند قدوس کی کبریائی کا اعلان شروع کر دیا ذہن فوراً تصورات کی دنیا میں کھو گیا۔ بلال جنھوں نے وصال نبوی صلعم کے بعد اذان دینی ترک کر دی تھی اور زبان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم پاک لینا بھی مشکل ہو گیا تھا حتیٰ کہ مدینہ کی سکونت بھی ترک دی تھی، انوار نبویہ سے معمور مقام خالی خالی ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ جس بلال کی عشق و مستی میں ڈوبی ہوئی پکار اہل سموات کو بھی ہمہ تن گوش بنا دیتی ہے۔ ملک شام میں سوئے ہوئے زیارت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، بلال یہ جدائی کب تک رہے گی۔ بلال تڑپ گیا اسی وقت گرتے پڑتے دیوانہ وار شہر خوباں کی راہ لی۔ آقا کے در پر حاضری دی روتے ہوئے ہچکی بندھ گئی۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ کسی کے سنبھالے نہیں سنبھلتے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آئے بڑی محبت سے ملے ڈھارس بندھائی اپنے ہاں لے جا کر بٹھایا۔ بلال آگیا، بلال آگیا، مدینہ کے لوگ بچھڑے ہوئے عاشق زار کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ بعض نے درخواست کی بلال (رضی اللہ عنہ) تیری اذان سننے کو کان ترس گئے ہیں۔ آج اذان ضرور ہو جائے۔ ادھر اصرار کے باوجود انکار تھا۔ آخر ترکیب سوجھی۔ نواسہ ہائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کرائی جائے۔ شاہ زادے آگئے۔ بلال رضی اللہ عنہ خوب چمٹ چمٹ کر روئے۔ کیوں نہ ہو دونوں کے اجتماع سے آقا کا سراپا تشکیل پا جاتا ہے۔ طبیعت تھمی تو دونوں آئے۔ گلے لپٹ کر کہا چچا نانا ابا کے زمانہ کی اذان سُنی ہے۔ کیوں نہیں سناتے، ہم ضرور سنیں گے۔ مجبور ہو گئے انکار کرتے بن نہ پڑی اُٹھے، اور میذنہ پر کئی سال بعد وہیں کھڑے ہو گئے۔ جہاں سے آپ کے جمال جہاں آرا کا نظارہ کر کے ان کی ابدی رسالت کا اعلان کرتے رہے تھے۔ خداوند قدوس کی کبریائی کا اعلان اور پھر اس کی زبان سے جس نے مکہ کی سنگلاخ تپتی ہوئی زمین پر منوں وزنی بوجھ تلے لیٹے بھی اس کی توحید کا ورد ترک نہ کیا تھا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر

کا اندازہ بلند کیا تھا کہ مدینہ منورہ کے در و دیوار میں ایک زلزلہ سا آگیا بلکہ مدینہ کے باسیوں کے دلوں میں طوفان موجزن ہوگیا۔ مرد تو کیا باپردہ عورتیں بھی مسجد نبوی کو دوڑی جارہی تھیں چشم تصور میں وہ وقت پلٹ آیا جب کہ بلال کی آواز سرکار دو عالم روحی فداہ کے روبرو گونجا کرتی تھی۔ بلال کی آواز پھر گونجی

اشھدان لا الہ الا اللہ ، اشھدان لا الہ الا اللہ

کہ سب کی چیخیں نکل گئیں۔ اک کہرام سا بپا ہوگیا اور بلال ہیں کہ اشھدان محمد رسول اللہ کا کلمہ پورا بھی نہیں کر پاتے کہ غش کھا کر گر پڑتے ہیں۔ چشم تصور اسی منظر میں کھوئی ہوئی تھی کہ موذن نے اشھدان محمد رسول اللہ کہتے ہوئے روضہ مطہرہ کی طرف بائیں ہاتھ سے اشارہ کردیا اس کی تو ادا تھی لیکن یہاں کوشش ضبط کے باوجود ہچکیاں بندھ گئیں۔ آہ یہ مقام ہے جہاں کبھی بلال کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو گونجا کرتی تھی۔ سوچتا ہوں کہ چودہ سو سال گذرنے کے بعد جب موجودہ مؤذنوں کی اذان میں یہ جذب دیکھنے ہے تو اس نورانی دور میں کیا کیفیت ہوگی۔ اللھم اجزھم عنا خیر الجزاء

ایک دفعہ بعد نماز عشا صفہ نبوی کے پاس سے گذر ہوا تو شیخ عبدالباسط مصری روضہ نبویہ کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھے تھے، اور ان کے گرد ہجوم ہو رہا تھا۔ بندہ بھی بیٹھ گیا۔ انھوں نے ابتداء کی سب ہمہ تن متوجہ ہوگئے۔ اب خلاف معمول تکلف نہیں تھا مقام نازک کے احساس کے پیش نظر کافی سادگی تھی اور آیات وہ منتخب کی گئی تھیں جن میں آداب نبویہ کا ذکر ہے۔ تلاوت قرآن صاحب قرآن کے سامنے اور پھر عبدالباسط کا انداز و لہجہ کہ مطالب کی وضاحت ہورہی ہو جس سے متاثر ہوکر وہ خود بھی آبدیدہ تھے اور دوسروں کو بھی رلا رہے تھے۔ عجب روح پرور سماں تھا۔ مستزاد یہ کہ جب

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

پر روضہ نبویہ کی طرف اشارہ کیا تو مسجد میں کہرام مچ گیا۔ کوئی ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے، کوئی رو رہا ہے اور کسی کی آنکھیں روضہ نبویہ پر لگ کر ہوش کھو بیٹھی ہیں۔ کاش یہ روحانی مجلس ختم نہ ہوتی۔ رات گئے واپسی ہوئی لیکن صرف جسم کی۔ جب بھی یہ منظر یاد آتا ہے۔ طبیعت بے بس ہوجاتی ہے۔

جبل احد

چند دوستوں کے ہمراہ پیدل جاکر اس پہاڑ اور اس کے لافانی آثار کی زیارت کی۔ آقائے نامدار صلعم کا ارشاد ہے کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہیں جنگ احد میں شہید ہونے والے نفوس قدسیہ آرام کر رہے ہیں۔ چوکھنڈی کے اندر دو قبور ہیں ایک جابر انصاری کے والد عبداللہ بن جحش ہیں شہادت کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے ہاں پیشی ہوئی اور بالمشافہ گفتگو ہوئی تو خداوند قدوس نے فرمایا عبداللہ اپنی دلی خواہش طلب کرو۔ تو عرض کیا کہ مجھے دنیا میں پھر بھیجا جائے کہ تیرے راستہ میں قربان ہوجاؤں اور یہ سلسلہ دراز تاقیامت چلتا رہے۔ ارشاد ہوا دنیا میں دوبارہ جانا تو ممکن نہیں، ہاں تمھاری اس خواہش کی اطلاع تمھارے مسلمان بھائیوں کو دے دی جائے گی۔ اسی پر یہ وحی نازل ہوئی

ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

ان کے ساتھ دوسری قبر سرور دو عالم کے چچا اور دودھ شریک بھائی سید الشھداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہے جنھیں اسد اللہ و اسد رسولہ اور سید الشھداء کا خطاب زبان وحی ترجمان سے عطا ہوا۔ ان کے علاوہ ۶۸ شہداء ایک ہی جگہ پر مدفون ہیں۔ یہی وہ میدان کارزار ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم آئے اور آپؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ اسی میدان سے انس بن النضر کو جنت کی خوشبو آئی۔ جس سے وارفتہ ہوکر فوراً دشمن سے ٹکرا گئے اور جام شہادت نوش کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا

یہیں عمارہ بن زیاد نے خون میں لت پت ہوکر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر اپنی پیشانی اور آنکھیں ملتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

احاطہ کے اندر نوٹس بورڈ نصب ہے کہ قبروں میں نماز پڑھنا قبروں کو چھونا اور وہاں پیسے پھینکنے منع ہیں۔ اس کے باوجود پیسے پھینکتے ہیں جنھیں اکٹھا کرنے کے لیے قبروں پر پھرنا پڑتا ہے جو سخت خلاف ادب اور گناہ ہے۔

قبرستان کے باہر برقعہ پوش دیہاتی خواتین کھجوریں، انڈے،

مرغا فروخت کرتی ہیں۔ جو شہر سے نسبتاً ارزاں ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں
بعض بوڑھیاں چنے، مرمرے، بیلے، عود، مسواک، ٹوپی وغیرہ فروخت کرتی ہیں
سر زمین پاک کو تبرک سمجھ کر ضرور خریدیئے۔ مدینہ کے اردگرد کاشتکاری
ہوتی ہے۔ لیکن اس علاقہ کو اب برابر کر کے ٹیوب ویل لگائے جا رہے
ہیں۔ امید ہے کہ جلد یہ علاقہ بھی سرسبز ہو جائیگا۔

مسجد نبوی کے باب النساء کے سامنے والے بازار کے اختتام پر
ایک چوک ہے اور سڑک پار ایک چاردیواری جس میں آہنی دروازے
نصب ہیں۔ مستورات کا داخلہ بند ہے۔ یہ جنت البقیع کا قبرستان ہے
اسے بقیع الغرقد بھی کہتے ہیں۔ امام مالک کے زمانہ میں یہاں مدفون بزرگوں
کی تعداد دس ہزار ہو چکی تھی۔ اب تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد معلوم نہیں
کتنا اضافہ ہو چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں پھوپھیاں صفیہ
و عاتکہ، صاحبزادیاں، صاحبزادے ابراہیم، اہل بیت کرام، ازواج
مطہرات، اکابر صحابہ، ائمہ کرام، محدثین و مفسرین، علماء و صحابہ یہاں
آرام فرما ہیں۔ بالکل آخر میں دیوار پار ابوسعید خدری صحابی اور شیر خدا
علی مرتضیٰ کی والدہ فاطمہ آرام کر رہی ہیں۔ بیرون بقیع برلب سڑک اسمٰعیل
بن امام جعفر صادق کی ایک چاردیواری میں قبر ہے۔

جیسے متعارف ساتھی ہمراہ تھے کسی نے بتلایا یہ صفیہ آرام کر رہی
ہیں۔ ہادی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اب بھی خاندانی بتوں کو
توڑتی ہوئی فضا میں گونجتی محسوس ہو رہی تھی۔

یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ انقذی نفسک عن النار لا اغنی
عنک من اللہ شیئاً۔

ادھر دیکھئے یہ تینوں بڑی صاحبزادیوں کی قبور ہیں۔ دو تو وہ ہیں
جو عثمان غنی کے نکاح میں یکے بعد دیگرے آکر انہیں ذو النورین بنا گئیں
اور تیسری وہ ہے جس نے اپنے خاوند کی رہائی کے لیے اپنے زیورات
جب مدینہ میں بھیجے۔ تو انھیں کا ایک ہار دیکھ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ
وسلم آبدیدہ ہو گئے۔ فرمایا یہ ہار خدیجہ رضی نے اپنی بچی کو جہیز میں دیا تھا
صحابہ نے بیک زبان عرض کیا بیٹی کا مال ہم نہیں لیتے اسے واپس کر
دیا جائے۔

دیکھئے قطار اندر قطار یہ مٹی کے تودے ہیں اس میں عباس رضی
اللہ عنہ لیٹے ہیں، وہی جو بدر میں جب قید ہو کر رسیوں میں جکڑے گئے
ساری رات کراہتے رہے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایک
کروٹ آرام نصیب نہ ہوا۔ فرمایا چچا جرمانہ ادا کر کے رہائی حاصل کر
لو۔ عرض کیا دل سے تو مومن تھا ایسے ہی خود بخود ان کے ہمراہ آ کر
آپ کے جانبازوں کے ہتھے چڑھ گیا ہوں اور جیب بھی خالی ہے تو
انہیں جو جرمانہ کے لیے ادا کر دوں۔ فرمایا میری چچی کو وہ نکلنے کے
وقت جو زیور تم نے علیحدگی میں دیئے تھے اور کہا تھا کہ اگر زندہ واپس
ہو گئی تو لے لوں گا۔ ورنہ اپنی ضرورت میں خرچ کر لینا۔ کیوں چچا وہ مال
تو ہے ہی؟ کہا سبحان اللہ! رہا سہا شک بھی رفع ہو گیا۔ رہائی کے بعد مدینہ منورہ
کی رہائش اختیار کر لی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عم الرجل صنو ابیہ
انہی کے بیٹے عبداللہ ہیں جنھیں اللھم علمہ الکتاب والحکمۃ
کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی۔ جس کے نتیجہ میں نوخیز
عبداللہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں مفتی اور مفسر اعظم
کا عہدہ پا گیا۔ آج وہی عبداللہ طائف کی ایک مسجد کے پہلو میں محو خواب
ہے اور عباس یہاں دوسرے اہل بیت کے ساتھ۔ جانتے ہو ان کے
ساتھ مٹی کے کون لیٹے ہیں۔ یہ امام برحق حسن بن علی ہیں۔ جو کبھی
سینہ نبوی پر لیٹا کرتے تھے (ایک روایت میں) پاس ہی ان کی والدہ
بضعۃ الرسول آرام فرما ہیں جو سیدۃ نساء اہل الجنۃ کے
خطاب سے نوازی گئیں۔ جن کے آغوش نے حسن و حسین کی تربیت کی
آج بھی آغوش بتول مطلوب ہے۔

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

انہی کے ساتھ نور چشم حسین، زین العابدین، محمد باقر، جعفر صادق
محو خواب ہیں۔ جن سے خانوادہ نبوت کے برگ و بار ظہور میں آئے۔ اس
دوسری قطار میں یہ مٹی کے تودے حرم نبوی کی آرام گاہ ہیں جس میں
ہماری مائیں سب کی مائیں استراحت فرما ہیں جنھیں خداوند قدوس
نے وازواجہ امہاتھم فرمایا

نیز لستن کاحد من النساء فرما کر انھیں باقی صنف نازک سے
مستثنیٰ قرار دیا۔ انہی میں عائشہ ہیں جسے حمیراء کا لقب عطا ہوا جس
کی گود میں سر رکھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے منہ کی چبائی
مسواک آخری وقت استعمال فرمائی اور آخری الفاظ

الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم اللھم الرفیق الاعلیٰ

ارشاد فرمائے اور آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی کے حجرہ
میں استراحت فرما ہیں۔ نصف دین کا ماخذ آپ رضی اللہ عنہا ہی کی
ذات ستودہ صفات ہے۔

دعائے صحت

منشی روڈ، الہ روڈ میں میری والدہ صاحبہ کی صحت کچھ خراب ہے قارئین سے دعائے
صحت کی درخواست ہے۔

غلام مصطفٰے آزاد، لاہور

تعارف وتبصرہ

تبصرہ کے لیے کتاب کی دو جلدیں دفتر میں آنا ضروری ہیں

جواہر الفقہ جلد دوم — مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی

صفحات : ۵۰۸ قیمت ۲۵/-

ناشر : مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ وطناً دیوبندی ہونے کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے عظیم فضلاء میں سے ایک ہیں۔ مادر علمی سے کسب فیض کرنے کے بعد آپ نے وہیں فن افتاء کی خدمت سرانجام دی اور یہ سلسلہ مدتوں چلتا رہا۔ اس دوران آپ نے دنیا بھر سے آنے والے لاتعداد سوالات کے جو جوابات لکھے وہ "فتاویٰ دارالعلوم" کے نام سے علیحدہ بڑے احسن انداز میں شائع ہو چکے ہیں۔

ان کے علاوہ آپ نے مختلف اوقات میں مختلف فقہی مسائل پر جو رسائل تحریر فرمائے ان کی تعداد آپ کے صاحبزادے مولانا محمد رفیع عثمانی کی تحقیق کے مطابق ۹۵ ہے جن میں ۲۵ علیحدہ کتابی صورت میں ۲۰ فتاویٰ دارالعلوم کے اجزاء کی صورت میں اور ۵ آپ کی معرکۃ الآراء تصانیف احکام القرآن عربی کے اجزاء کی صورت میں طبع ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ ۴۵ رسائل آپ کے بااہمت بیٹے مولانا محمد رفیع نے مرتب صورت میں جواہر الفقہ کے نام سے طبع کروائے ہیں۔ یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ پہلی جلد میں ۲۵ رسائل تھے (اس پر تبصرہ خدام الدین میں آچکا ہے) اب دوسری جلد بھی طبع ہو گئی ہے جس میں ۲۱ رسائل ہیں۔ بعض چند صفحات پر مشتمل ہیں تو بعض خاصے طول طویل ہیں۔ لیکن اپنے مخصوص تحقیقی انداز میں ہر رسالہ اپنے اپنے مقام پر انتہائی اہم اور قابل قدر ہے۔ اس مجموعہ کے رسائل کی ترتیب اور نام ملاحظہ فرمائیں :-

۱۔ عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ (۲) نابالغہ کے نکاح میں سوء اختیار (۳) اسلام اور نسبی امتیازات (۴) مختلف المذاہب زوجین کے احکام (۵) علم نبوی کی تحقیق (۶) مرتد کی سزا اسلام میں (۷) شریعت میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات (۸) ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی حدود شرعیہ (۹) عشر و خراج کے احکام (۱۰) انتخابات میں ووٹ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت (۱۱) قانون اسلامی بابت پٹہ دوامی (۱۲) زمینداری (۱۳) حق تصنیف اور حق ایجاد کی شرعی حیثیت (۱۴) احکام القمار (۱۵) ناجائز معاملات بیت ایک تصنیف کا خاکہ (۱۶) اسلامی ذبیحہ (۱۷) داڑھی کے خضاب اور اس کے کتروانے وغیرہ کے احکام (۱۸) تفصیل الکلام فی مسئلۃ الاعانۃ علی الحرام ۹ ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت (۲۰) آداب الاخبار (۲۱) یتیم پوتے کی میراث۔

ان ناموں سے آپ رسائل کے مضامین کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یوں تو ہر رسالہ اپنے اپنے مقام پر مخصوص شان تحقیق کا حامل ہے لیکن ۱، ۳، ۶، ۹، ۱۰، ۱۳، ۱۴، ۱۹ اور ۲۱ تو اپنے اپنے مقام پر کئی ضخیم تصانیف پر بھاری اور افادیت کے اعتبار سے انتہائی اہم ہیں رسالہ ۸ برصغیر کی آزادی و تقسیم سے قبل کے ہیجان انگیز دور میں لکھا گیا۔ اس میں جو کچھ ہے وہ ایک محقق و ماہر مفتی کا نقطۂ نظر ہے جو اس نے انتہائی خوش اسلوبی سے سپرد قلم کیا ہے تاہم اس نقطۂ نظر سے اس دور میں جن حضرات کو دیانت دارانہ اختلاف تھا۔ ہماری رائے انہی بزرگوں کے ساتھ ہے۔ تاہم ہمیں اعتراف ہے، کہ موصوف نے باقی رسائل کی طرح یہاں بھی خوب سے خوب تر لکھا۔ گو اب وہ حالات نہیں لیکن بہرحال تقسیم در تقسیم شدہ ملک میں مسلمانوں کے ساتھ کافر موجود تو ہیں اگرچہ انتہائی اقلیت میں ہیں۔ تو اس رسالہ کے مندرجات سے اشتراک وغیرہ کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔ (س۔ ع)

زاہد الراشدی

اصلاحِ و تربیتِ دینی کی ضرورت

۱۹ دسمبر کو ملک بھر میں حکمران گروہ کی دھاندلیوں غیر آئینی کاروائیوں اور جبر و تشدد کی پالیسیوں کے خلاف یوم سیاہ منایا گیا۔ اگرچہ متحدہ حزب اختلاف نے حکمران گروہ کی عائد کردہ پابندیوں کو گوارا کرتے ہوئے قانون کے دائرہ میں رہ کر اجتماعات کا پروگرام ترتیب دیا تھا لیکن اس کے باوجود حکمران گروہ کی سراسیمگی کا عالم دیدنی تھا۔ حزب اختلاف کی چاردیواریوں میں محدود اجتماعات کو متعدد شہروں میں پولیس اور ایف۔ ایس۔ ایف نے گھیر رکھا تھا ہر شہر میں حزب اختلاف کے فعال راہ نماؤں اور کارکنوں کے گرد پولیس کا دائرہ تنگ ہو چکا تھا اور دوسرے روز ملک بھر میں کارکنوں کی گرفتاریوں کی خبروں سے اخبارات کے کالم بھرے پڑے تھے۔

راقم الحروف نے ۱۹ دسمبر کو دفتر جماعت اسلامی لاہور میں حزب اختلاف کے جلسہ میں جمعیۃ علماء اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے کچھ عرض کیا اور ۲۰ دسمبر کی صبح کو گوجرانوالہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ کل مسجد میں حزب اختلاف کے جلسہ کے بعد اپوزیشن کے متعدد راہ نماؤں کو رات گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ان میں جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے مرکزی نائب صدر مولانا عبدالعزیز راجوروی، تحریک استقلال کے خلیفہ امام الدین بقا اور آزاد سیاسی کارکن نوید انور نوید شامل تھے جبکہ جمعیۃ طلباء اسلام گوجرانوالہ کے جنرل سیکرٹری محمد فاروق کی تلاش میں پولیس چھاپے مار رہی تھی۔ اس سلسلہ میں صحیح صورت حال معلوم کرنے اور وکلاء سے رابطہ قائم کرنے کے لیے ضلع کچہری پہنچا تو خود بھی دھر لیا گیا۔ گوجرانوالہ میں گزشتہ اکتوبر میں منعقد ہونے والے آل پاکستان نظام شریعت کنونشن میں قرار دادیں پڑھ کر سنانے کے جرم میں سٹی پولیس نے مقدمہ درج کر رکھا تھا۔ اس مقدمہ میں حضرت الامیر مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ، قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ، مولانا عبدالکریم آف بیر شریف، مولانا عبدالغفور کوئٹہ، مولانا عبدالمجید سواتی گوجرانوالہ، مولانا غلام ربانی رحیم یار خاں، مولانا محمد خان شیرانی ژوب سنڈیمن، مولانا دل مراد سکھر، مولانا نیاز احمد گیلانی ملتان، قاری نور الحق ایڈووکیٹ ملتان، مولانا محمد لقمان علی پوری طالب علم راہنما جاوید پراچہ کوہاٹ، عبدالمتین چوہدری ساہیوال، حافظ محمد طاہر چیچہ وطنی اور شاعر اسلام سید امین گیلانی بھی پولیس کو مطلوب ہیں۔

ضلع کچہری کے احاطہ میں پولیس نے مجھے حراست میں لے لیا اور ڈیوٹی مجسٹریٹ نے ۳۰ دسمبر تک جوڈیشل ریمانڈ دے کر ڈسٹرکٹ جیل کی حوالات میں بھیج دیا۔ جیل میں پہنچا تو حافظ آباد سے جماعت اسلامی کے راہ نما میاں محمد یوسف تہامی اور جمعیۃ علماء اسلام کے فعال کارکن مولانا محمد افضل پہلے سے پہنچائے جا چکے تھے۔ جبکہ مولانا راجوروی خلیفہ امام الدین بقا اور نوید انور نوید تھوڑی دیر کے بعد آ پہنچے اور جمعیۃ طلباء اسلام کے محمد فاروق شام کو پولیس کے ہتھے چڑھے اور ایک رات سٹی تھانہ کی حوالات میں گزار کر دوسرے دن جیل پہنچے۔

ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ کے حکام کا رویّہ عام قیدیوں کے ساتھ انتہائی شائستہ معقول اور ہمدردانہ ہے سیاسی قیدیوں کے بارے میں رویہ کے تعین سے قبل حکمرانوں کی جبینِ ناز کی شکنوں کا مطالعہ کرنا تو جیل حکام کی ایسی مجبوری ہے جس سے ان کے لیے کوئی

ٹیلیفون نمبر ۶۶۵۲۵
ہفت روزہ خدام الدین لاہور
رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۳

مضر نہیں البتہ عام قیدیوں کے ساتھ سلوک مناسب اور شائستہ ہے اور ہم نے بطور خاص یہ بات نوٹ کی ہے۔

اس موقع پر جیل کی لمبی کہانی سنانے کی بجائے جو بات میں خاص طور پر تاثرات کے ضمن میں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ جیل کا جو مقصد ہمارے مروجہ نظام قانون میں بیان کیا جاتا ہے جیل کے اندر اس کے لیے فضا سازگار ہونے کے باوجود اس کا کوئی اہتمام نہیں ہے کسی ملزم کو جیل میں بھیجنے کے عام طور پر دو مقصد بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اس کو معاشرہ سے الگ کر دیا جائے تاکہ وہ مزید خرابی نہ پھیلا سکے۔

۲۔ جیل میں اس کی اصلاح ہو جائے۔

جہاں تک پہلے مقصد کا تعلق ہے وہ تو کسی درجہ ہماری جیلوں میں پورا ہو جاتا ہے لیکن دوسرا مقصد جو زیادہ اہم اور بنیادی حیثیت کا حامل ہے اس کی تکمیل کا کوئی سامان نہیں ہے۔

انسان جیل کی چاردیواری کے اندر جانے کے بعد اپنے آپ کو بہرحال مجبور و بے بس محسوس کرتا ہے۔ اور فطری طور پر اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے جذبات عام حالات کی بہ نسبت زیادہ بیدار ہوتے ہیں۔ اگر اس رجحان کو بنیاد بنا کر جیل کے اندر دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ خدا خوفی کے جذبات و احساسات کو تبلیغ و تعلیم کے ذریعہ مسلسل بیدار کرتے رہنے کا نظام قائم کر دیا جائے تو اس سے جرائم کے رجحان پر کافی حد تک کنٹرول کیا جا سکتا ہے لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ اگر قیدی اپنے جذبہ و شوق سے بھی نماز اور دینی تعلیم کی طرف رجوع کرے تو اس کے لیے جیل کے اندر مسجد یا دینی تعلیم و تدریس کا کوئی نظام موجود نہیں ہے چہ جائیکہ باقاعدہ پروگرام کے تحت قیدیوں کو اس طرف راغب کیا جائے اور اس مقصد کے لیے نظام قائم کیا جائے۔

راقم الحروف کو ۲۰ نومبر سے ۲۹ دسمبر تک ۹۰ دن جیل کے ماحول میں گزارنے کا موقع ملا اور میں نے محسوس کیا کہ اس ماحول میں عادی مجرموں کو بھی بتدریج اصلاح کی طرف مائل کرنے کی سعی کی جائے تو اس کے نتائج یقیناً مثبت ہوں گے۔ لیکن مروجہ نظام قانون کے ہوتے ہوئے کسی اصلاح کی توقع نہیں کی جا سکتی جب تک پورے نظام ملک کو از سر نو اسلامی بنیادوں پر استوار نہ کیا جائے ۲۹ دسمبر کو ملک محمد اقبال کی ضمانت لی تو ان تاثرات کے ساتھ میں جیل سے رخصت ہوا۔

مولانا عبیداللہ انور پرنٹر پبلشر خواجہ طارق لطیف کیمبرج پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔